U59069 2-12-94

Title - Jawaharaat ; Majmua All India Mushayra Ijlaas chehel-o-Nehem.

Creator - Murattiba Mushayra Committee (Lucknow)

Publisher - Adabi Press (Lucknow)

Date - 1936

Pages - 80+20

Subjects - Urdu Shayari - Intikhab ; Mushayre. Tazkira Shora.

فہرست

غزلیات

دیکھئے

پنڈت جواہر لال نہرو

صدر انڈین نیشنل کانگریس ۴۹ واں اجلاس

کیا کہتے ہیں؟

سُنئیے : میں اُمید کرتا ہوں کہ تمام ہندوستانی اپنا روپیہ بیرونی کمپنیوں میں بیکار نہ گنوائیں گے اور صرف ہندوستانی کمپنیوں کی سرپرستی کریں گے۔

اکویٹی انشورنس کمپنی لمیٹڈ آپ کی کمپنی ہے

آپ اس کی سرپرستی کیجیے

ہیڈ آفس مال روڈ لکھنؤ

نمائندوں کی ضرورت۔ درخواستیں پتۂ بالا پر آنا چاہئیں

بینکرز سینڈیکیٹ۔ مینیجنگ ایجنٹس۔



جواہر لال نہرو
صدر ال انڈیا کانگرس ۱۹۳۶ ع

خطبہ صدر مجلس استقبالیہ

صدرِ محترمہ! شعرائے باکمال!! خواتین و حضرات!!!

مجھے اس بات پر فخر و مسرت ہے کہ آل انڈیا مشاعرہ کی استقبالیہ کمیٹی نے مجھے اپنا صدر منتخب کیا، اور اس اہم موقع پر مجھے اس کا اہل سمجھا کہ میں فرائض صدارت انجام دوں۔ مجھے اپنی بے بضاعتی اور نااہلی کا اعتراف ہے، لیکن وہ کون ذرّہ ہے جس کو ذرہ نوازی بُری معلوم ہوتی ہے اور میرے دل میں اُس خلوص و محبت کا احساس ہے جس کی بنا پر میرے احباب نے میری عزت افزائی کی اور یہ اہم خدمت میرے سپرد ہوئی۔

بحیثیت صدر استقبالیہ میرا سب سے پہلا اور سب سے زائد خوشگوار فرض صدر محترمہ کی خدمت میں ہدیہ سپاس پیش کرنا ہے۔

مسز سروجنی نائڈو کی سیاسی اور ادبی خدمات سے کون شخص واقف نہیں ہے۔ اور اگر کوئی بدنصیب ایسا ہے تو یقیناً وہ ہندوستانی کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے۔ مسز نائڈو اس تاریک دور کی اُن چند ہستیوں میں ہیں، جنکی وجہ سے مُلک میں کچھ اجالا سا معلوم ہوتا ہے، اور جن کی زندگی تاریخ وطن کا ایک زرّیں باب بن چکی ہے۔ اُن کی عدیم الفرصتی ظاہر ہے۔ اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ انھوں نے ہماری دعوت صدارت قبول فرما کر اس مشاعرہ کو ہمیشہ کے لئے ایک ادبی یادگار بنادیا، اور اُردو ادب کو مرہونِ احسان کیا۔

اُس کے بعد مجھے اپنے اُن معزز اور باکمال مہمانوں کے جذبہ وطن پرستی کا

اعتراف کرتا ہے، جس نے انھیں ہمارے مشاعرے کے دعوت نامہ کو قبول کرنے پر مجبور کردیا۔ جس وقت کہ دعوت نامے روانہ کئے گئے تھے اس وقت مجھے یہ اُمید نہ تھی کہ اس موقع پر اتنی باکمال ہستیاں یکجا ہو جائیں گی، اور اس مشاعرے کو اتنی ادبی عظمت حاصل ہو گی۔ میں بخوبی سمجھتا ہوں کہ یہ شاندار اجتماع میری دعوت پر نہیں ہوا ہے، بلکہ یہ قوم کا مطالبہ تھا جس کو غیرت مند دل رد نہ کرسکے۔ میں جملہ شعراء کا صدق دل سے منت گزار ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ وہ میری اور استقبالیہ کمیٹی کی اُن کوتاہیوں پر نظر نہ کریں گے جو اُن کی خاطر اور مہمان نوازی میں یقیناً ہم سے سرزد ہوئی ہیں۔

یہاں پر میں اراکین مشاعرہ کمیٹی کی بے نیازانہ خدمات کا بھی اعتراف کرنا چاہتا ہوں جس نے ہماری سعی کو کامیاب بنایا۔ جناب امین سلونوی کی جسقدر شکرگزاری کی جائے کم ہے۔ انھوں نے اپنے جملہ اوقات خواب و بیداری اس کام پر نذر کردیے اور اس کے آگے اپنے کسی نجی کام کا کبھی خیال نہ کیا۔ جناب وصل بلگرامی نے اپنا کافی قیمتی وقت اس کام میں صرف کیا اور باوجود ناسازی طبیعت ہر طرح کی امداد دی۔ دیگر اراکین کی گراں قدر مشاورت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔

حضرات! میں اس موقع پر کوئی طویل خطبہ پیش کرکے آپ کا عزیز وقت ضائع نہ کروں گا، لیکن خوش قسمتی سے چونکہ مجھ کو آج ایسا موقع نصیب ہوا ہے، میں اپنے معزز مہمانوں کی خدمت میں دو باتیں عرض کروں گا۔ اور مجھے اُمید ہے کہ وہ ناگوار خاطر نہ ہوں گی۔

غالباً اس کلیہ سے تو کوئی انکار نہ کرے گا، کہ شاعری کا بہترین موضوع محبت ہے۔ اور محبت کا نفیس ترین عنصر ایثار ہے۔ اگر یہ دو باتیں تسلیم کرلی جائیں تو بجز چند خدارسیدہ حضرات کے کسی کو یہ ماننے میں تامل نہ ہوگا کہ محبت کا اعلیٰ ترین درجہ وطن کی محبت ہے۔ میں شعراء کی خدمت

ہیں بکمال ادب عرض کروں گا، کہ کیا اس جذبہ کے ماتحت وہ لطافتیں اور وہ نزاکتیں پیدا نہیں ہوتیں جن کو محسوس کرنے کے لئے ایک مشتعل دل کی ضرورت ہے؟ کیا اس جذبہ سے وہ قلبی کیفیات پیدا نہیں ہوتیں جو کہ شاعری کی جان ہیں؟ اور اگر ہوتی ہیں، تو کیا یہ غلط ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ شعرائے اُردو نے عام طور پر اس جذبہ سے متاثر ہونے میں کوتاہی کی ہے۔ اُنھوں نے اپنے ماحول کا وہ اثر نہیں لیا ہے، جو کہ اُنھیں لینا چاہئے تھا۔ مجھے اس بات کے اعتراف کرنے میں نہایت مسرت ہے کہ کچھ ہستیاں ایسی ہیں جو دردِ قومی سے بے خبر نہیں ہیں۔ میں جناب جوش ملیح آبادی۔ جناب سیماب اکبر آبادی۔ جناب ساغر نظامی جناب روشن صدیقی جناب فیاض گوالیاری اور جناب بسمل الہ آبادی کے جذبۂ وطن پرستی کا معترف ہوں۔ لیکن اُن کے علاوہ آج اور بھی بہت سی باکمال ہستیاں ہیں جن پر اُردو ادب بجا طور پر ناز کرتا ہے۔ اور جنکی بنا پر میں یہ کہنے کی جرأت رکھتا ہوں کہ موجودہ دَور کسی دَورِ ماضی سے ادبی وقار میں کم نہیں ہے۔ میں اُن شعراء سے گزارش کروں گا کہ وطن بھی اُن کی نگاہ توجہ کا مستحق ہے میں یہ گستاخی نہیں کروں گا کہ اُن سے یہ عرض کروں کہ آپ دل پر ایک مصنوعی جذبہ طاری کرکے شعر کہئے۔ میں اُن سے یہ عرض کروں گا کہ یہ غیر ممکن ہے کہ جو آپ کے ایسے حساس دل رکھتے ہیں اُن کے دل میں یہ فطری جذبہ پیدا نہ ہوتا ہو۔ آپ اُسکی آواز پر توجہ نہیں کرتے اور اُس کو دل ہی دل میں دبا دیتے ہیں۔ للہ ایسا نہ کیجئے۔ اس آواز کو بلند ہونے دیجئے۔ اور پھر دیکھئے کہ یہ ایک نغمۂ بے پناہ بن جاتی ہے کہ نہیں؟

شاعری کا اعلیٰ ترین منصب، قوم اور مُلک کی بیداری ہے۔ مُلک جس نازک دَور سے گزر رہا ہے وہ ہر شخص پر عیاں ہے۔ وطن کے ہر گوشے میں حصولِ آزادی کے لئے ایک خاموش جہاد جاری ہے۔ اس جہاد میں ہر قدم پر ایثار اور نفس کُشی کی ضرورت ہے۔ کیا اس جہاد میں

حصہ لینا آپ کا فرض نہیں ہے؟ کیا قوم کا پیغام ملک کے گوشے گوشے تک پہونچانے کے لئے آپ سے بہتر کوئی ذریعہ ہوسکتا ہے؟۔ کیا آپ کو اس سے زیادہ کوئی عزت حاصل ہوسکتی ہے کہ آپ کے اشعار اس جدوجہد میں رضاکارانِ وطن کی زبان پر ہوں؟ جب اسیر کوئی نازک وقت آئے تو ان کے مجروح دل ان سے تسکین پائیں؟ اور جب ان کے ارادوں میں کوئی تزلزل واقع ہو تو آپ کے اشعار ان کو غیرت دلائیں؟۔ ہاں اس شاعری سے یہ تو ضرور ہوگا کہ کوئی خطاب سرکاری آپ کو نہیں ملے گا، کوئی تمغہ آپ کے سینے پر آویزاں نہیں کیا جائے گا لیکن ساتھ ہی ساتھ آپ کی اولاد آپ کو مورث تسلیم کرتے ہوئے اپنے ہمچشموں میں شرمسار بھی نہ ہوگی۔

مجھے جو کچھ کہنا تھا میں عرض کر چکا۔ اب میں اس مختصر خطبہ کو ان چند اشعار پر ختم کرتا ہوں جو میں نے صدر محترمہ کی شان میں عرض کئے ہیں۔ میری زبان نے میرے دل کی ترجمانی میں بہت کوتاہی کی ہے لیکن وہ متوقع بھی تو نہیں ہے کہ نظر حلِ مطالب کر سکے۔ امید ہے کہ صدر محترمہ میری کوتاہیوں سے درگزر فرمائیں گی۔

قطعہ

آمد ہے وطن میں گلِ رعنائے وطن کی — کھلتی ہے کلی ہر دلِ شیدائے وطن کی
ہر لب پہ ہے تیرے ہی ترانوں کا ترنم — تو روحِ رواں ہے لبِ گویائے وطن کی
تیرے ہی خد و خال سے ہستی ہوئی کچھ ہے — دل میں جو وہ تصویر ہے لیلائے وطن کی
تو ایک تجلی تو ہے، لیکن نہیں کھلتا — ماضیِ وطن کی ہے کہ فردائے وطن کی
مخمور نگاہوں سے تری قدر بڑھی اور — اغیار کی محفل میں بھی صہبائے وطن کی
تھوڑی سی بچی ہے تری شیرینیِ لب میں — سب لٹ گئی دولت من و سلوائے وطن کی
بلبل کی زباں غنچۂ رنگیں کو عطا کی — شوخی کوئی دیکھے چمن آرائے وطن کی

اب تو ہی دکھا راہ، نظر تیری طرف ہے
صحرا میں ہر اک بادیہ پیمائے وطن کی

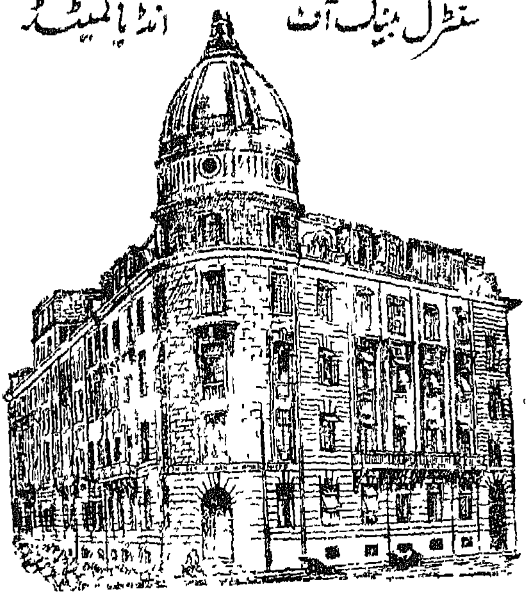
"آنند نرائن ملاؔ"

بینک کی تمام ضروریات کیلئے

اپنے ہی بینک سے کام لیجئے

ہندوستان کا سب سے بڑا جوائنٹ اسٹاک بینک

سنٹرل بینک آف انڈیا لمیٹڈ



مقررکردہ سرمایہ	۳۳۶۰۰۰۰۰ روپیہ
وصول شدہ سرمایہ	۱۶۸۰۰۰۰۰ روپیہ
محفوظ خاص ضروریات کیلئے	۷۰۰۰۰۰۰ روپیہ
جمع شدہ ۳۱ دسمبر ۱۹۳۵ء تک	۲۷ کروڑ روپیہ سے زائد

ہیڈ آفس بمبئی

صوبہ یو۔پی کی شاخیں۔ لکھنؤ۔ امین آباد (لکھنؤ)۔ کانپور۔ گورکھپور۔ بستی۔ سیتاپور۔ پڈرونہ۔ ہردوئی۔ آگرہ۔ علیگڈھ۔ ہاتھرس اور ہاپڑ

سر سہراب جی۔ این پوچکھانوالا۔ نائٹ
مینیجنگ ڈائرکٹر

کشن چند پوری ایجنٹ
لکھنؤ برانچ



مسز سروجنی نائڈو
صدر آل انڈیا مشاعرہ ۱۹۳۶ع

مسز سروجنی نائیڈو صدر مشاعرہ کانگریس لکھنؤ ۱۹۳۶ء کا

پیام

شاعری زندگی کی طرح اپنی وسعت میں لامحدود ہے اور اپنے مقصد میں پُرشکوہ۔ یہ وہ نادر آئینہ ہے جو حُسن کے ہر طرز جلوہ کی آئینہ داری کرتا ہے۔ یہ وہ زرّیں پیمانہ ہے جو کہ حقیقت کی ہر نقطۂ نظر سے پیمائش کرتا ہے۔ یہ ہر انسانی جذبہ۔ سعی مشاہدہ۔ ترک یا حصول کا ایک رنگین اور پائندہ نغمہ ہے۔ یہ ہر رسم و قید سے انسانی آزادی کی ایک شاندار پیشین گوئی ہے اور دُنیا کے زخمی اور مضطرب دل کے لئے پیغام سکون اور وعدۂ عافیت۔

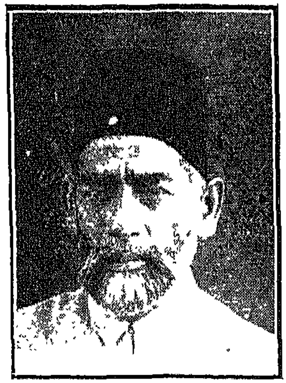
اذن بیداری

(بلبل ہند مسز سروجنی نائڈو کی ایک معرکتہ الآرا انگریزی نظم کا ترجمہ)

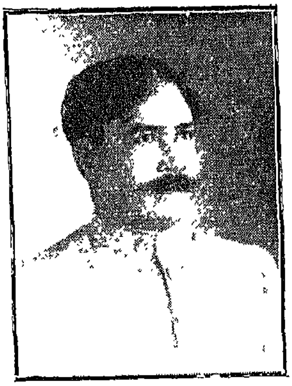
اے مادرِ وطن بیدار ہو! تیرے بچے التجا کرتے ہیں۔
وہ بچے جو تیرے سامنے تیری خدمت اور پرستش کے لئے دو زانو ہیں۔
رات ایک خوابِ صبح کے جلووں سے جگمگا رہی ہے۔
تو کیوں ابھی تک رنج و غم کی اسیری میں محوِ خواب ہے؟
اُٹھ! اور ان مصیبت کی کڑیوں کو جو ہمیں جکڑے ہوئے ہیں توڑ ڈال! اور ہمارے ہاتھوں کو اُن کامیابیوں کے لئے جو اُن کو مسکرا کر بلا رہی ہیں پاک بنا۔

اے مادرِ محبوبہ! کیا ہم تیرے وارث نہ بنیں گے؟
کیا تیری ہمہ گیر طاقت اور تیرے غرور جوش و ہمت کے ہم حقدار نہیں ہیں؟۔
ہم تجھ کو ہرگز بھولنے والے یا چھوڑنے والے نہیں۔ ان کے قدم تیری خدمت میں کیسے ہچکچائیں گے۔ جن کے دل تیرے گھر ہیں۔ تیری سپر ہیں

اور تیری قربانگاہ ہیں۔
ہندو :- اے مادرِ وطن ! ہم نے اپنی پرستش کے پھولوں کے ہار تجھ پر چڑھائے ہیں !
پارسی :- اے مادرِ وطن ! ہم نے اپنی اُمید کے شعلوں میں تجھ کو گھیر لیا ہے۔
مسلمان :- اے مادرِ وطن ! ہم نے اپنی محبت کی تلوار سے تیری حفاظت کی ہے۔
عیسائی :- اے مادرِ وطن ! ہم نے اپنے عقیدے کے نغمے تیرے لئے گائے ہیں۔
متفقہ :- کیا تو ہمارے جذباتِ عقیدت سے متاثر نہ ہوگی - اے ملکہ ! اے دیوی ! ہم تجھ کو پکارتے ہیں۔



وصل بلگرامی
رکن مجلس استقبالیہ



آشفتہ لکھنوی
رکن مجلس استقبالیہ



آنند نراین ملا
صدر مجلس استقبالیہ

مشاعرہ کمیٹی آل انڈیا
مشاعرہ اجلاس چہاردہ
و نہم انڈین نیشنل
کانگرس ۱۹۳۶ء



امن سلونوی
معتمد مجلس استقبالیہ



شوکت تھانوی
رکن مجلس استقبالیہ

خاکِ ہند

(از پنڈت برج نرائن چکبست مرحوم)

اے خاکِ ہند تیری عظمت میں کیا گماں ہے — دریائے فیضِ قدرت تیرے لئے رواں ہے
تیری جبیں سے نورِ حسنِ ازل عیاں ہے — اللہ ری زیب و زینت کیا اوجِ عز و شاں ہے
ہر صبح ہے یہ خدمت خورشید پُرضیا کی
کرنوں سے گوندھتا ہے چوٹی ہمالیہ کی

اس خاکِ دل نشیں سے چشمے ہوئے وہ جاری — چین و عرب میں جن سے ہوتی تھی آبیاری
سارے جہاں پہ جب تھا وحشت کا ابر طاری — چشم و چراغِ عالم تھی سرزمیں ہماری
شمعِ ادب نہ تھی جب یوناں کی انجمن میں
تاباں تھا مہرِ دانش اس وادیِ کہن میں

گوتم نے آبرو دی اس معبدِ کہن کو — سرمد نے اس زمیں پر صدقے کیا وطن کو
اکبر نے جامِ الفت بخشا اس انجمن کو — سینچا لہو سے اپنے رانا نے اس چمن کو
سب سور بیر اپنے اس خاک میں نہاں ہیں
ٹوٹے ہوئے کھنڈر ہیں یا ان کی ہڈیاں ہیں

دیوار و در سے اب تک ان کا اثر عیاں ہے — اپنی رگوں میں اب تک ان کا لہو رواں ہے
اب تک اثر میں ڈوبی ناقوس کی فغاں ہے — فردوس گوش اب تک کیفیتِ اذاں ہے
کشمیر سے عیاں ہے جنت کا رنگ اب تک
شوکت سے بہ رہا ہے دریائے گنگ اب تک

اگلی سی تازگی ہے پھولوں میں اور پھلوں میں — کرتے ہیں رقص اب تک طاؤس جنگلوں میں
اب تک وہی کڑک ہے بجلی کی بادلوں میں — پستی سی آ گئی ہے پر دل کے حوصلوں میں
گل شمع انجمن ہے گو انجمن وہی ہے
حب وطن نہیں ہے خاک وطن وہی ہے

برسوں سے ہو رہا ہے برہم سماں ہمارا — دنیا سے مٹ رہا ہے نام و نشاں ہمارا
کچھ کم نہیں اجل سے خواب گراں ہمارا — اک لاش بے کفن ہے ہندوستاں ہمارا
علم و کمال و ایماں برباد ہو رہے ہیں
عیش و طرب کے بندے غفلت میں سو رہے ہیں

اے صور حب قومی اس خواب سے جگا دے — بھولا ہوا فسانہ کانوں کو پھر سنا دے
مردہ طبیعتوں کی افسردگی مٹا دے — اٹھتے ہوئے شرارے پھر آگ اپنے دکھا دے
حب وطن سمائے آنکھوں میں نور ہو کر
سر میں خمار ہو کر دل میں سرور ہو کر

شیدائے بوستاں کو سرو و سمن مبارک — رنگیں طبیعتوں کو رنگ سخن مبارک
بلبل کو گل مبارک گل کو چمن مبارک — ہم بیکسوں کو اپنا پیارا وطن مبارک
غنچے ہمارے دل کے اس خاک میں کھلیں گے
اس خاک سے اٹھے ہیں اس خاک میں ملیں گے

ہے جوئے شیر ہم کو نور سحر وطن کا — آنکھوں کی روشنی ہے جلوہ اس انجمن کا
ہے رشک مہر ذرہ اس منزل کہن کا — تلتا ہے برگ گل سے کانٹا بھی اس چمن کا
گرد و غبار یاں کا خلعت ہے اپنے تن کو
مر کر بھی چاہتے ہیں خاک وطن کفن کو

بارکہ تجارتی تحفہ

سنہ ۱۹۰۸ء

لکھنؤ کا تحفہ

خوشبودار تمباکو اور عطر ہے اور ہمارے کارخانہ سے
تمام ہندوستان میں یہ چیزیں بھیجی جاتی ہیں کارخانہ کی حسب ذیل مخصوص چیزیں
رجسٹرڈ ہیں
افشانی قوام - الائچی - تمباکو - تکھ بالس پان مارکہ
فہرست مفت طلب کیجئے

مقتداخاں اقتداخاں تاجر تمباکو و عطر لکھنؤ

ہیڈ آفس	وکٹوریہ اسٹریٹ
فیکٹری	کٹرہ ابو تراب
برانچ	امین آباد

ملک کو ضرورت ہے

آج کل ملک میں بے روزگاری بڑھ رہی ہے، اور لوگوں کی آنکھیں بے روزگاری دور کرنے پر لگی ہوئی ہیں اس کا صرف ایک ذریعہ ہے کہ دستکاری کو ملک میں ترقی دی جائے۔ میں ۴۵ سال سے چشمہ کے لینس و فریم بنانے کا کام کر رہا ہوں جس کے بہترین ہونے کے صلہ میں صدہا سونے چاندی کے تمغہ اور ڈاکٹروں کے سارٹیفکٹ مجھے ملے ہیں۔ ضرورت زمانہ کے لحاظ سے اس دستکاری اور ہنر کی آپ امداد کریں کہ اس کے لئے ایک اسکول جاری کیا جائے تاکہ اس سے ہزاروں غریب ہندوستانیوں کو فائدہ پہونچے اور ملک کی دولت ملک میں رہے۔ ایک اسکول کے اجرار کے لئے ایک لاکھ سرمایہ کی ضرورت ہوگی۔ اپنے بچوں کو بھی کام سیکھنے کے لئے بھیجیں عنقریب کمانی اور لینس بنانے کا کام جاری کیا جائے گا جس کیلئے تخمینہ بیس ہزار روپیہ فراہم ہونا کوئی مشکل نہیں ہے۔ اگر میرے ارادہ کو ملک و قوم نے مضبوط و مستحکم بنانے میں امداد کی تو لاکھوں بے روزگار مفلسی (اور بیکاری کے مرض سے نجات پا جائیں گے۔

المشتہر

بی۔ این بجل۔ تمغہ یافتہ آپٹیشین قیصر باغ لکھنؤ

نظمیات

قوم سے خطاب

(امین سلونوی، سکریٹری مشاعرہ)

سُن مری باتیں ذرا سن اے ذلیل و خوار قوم
اے وطن دشمن ستم آزار اے غدّار قوم
بے نوا، بے رحم، اپنی جان سے بیزار قوم
بے حمیّت، بد نصیب، اے مفلس و نادار قوم

اپنی حالت پہ تجھے اب شرم کیوں آتی نہیں
کیا غریب آزاریاں بھی تجھ کو تڑپاتی نہیں

مِٹ چکے ہیں عظمتِ دیرینہ کے نقش و نگار
تجھ سے چھینا جا چکا ہے تیرا سب عزّ و وقار
لُٹ چکا ہے اس چمن کا ہائے سامانِ بہار
ہو رہا ہے اب گریبانِ وطن بھی تار تار

تو مگر ہے خواب میں تجھ کو نہیں کچھ بھی خیال
تیرے چہرے پر نہیں ہے آج بھی گردِ ملال

دولت و علم و عمل کیا چیز تیرے پاس ہے
تجھ پہ دنیا تنگ ہے تو موردِ افلاس ہے
دیکھ اپنا رنگِ رخ اب مائل صد یاس ہے
تجھ کو کچھ اپنی خبر ہے تجھ کو کچھ احساس ہے

اک طرف ہے فاقہ مستی اک طرف فخر و غرور
اشکِ خوں سے ہو چکا لبریز قلبِ ناصبور

جب نہیں پاتی ہے کھانے کو تو پیتی ہے لہو   مردم آزاری کی کرتی ہے تلاش و جستجو
بھائیوں سے اپنے ہی لڑتی ہے تو اے تند خو   تجھ میں اب نسانیت کی بھی نہیں باقی ہے بو
تو بہادر ہے مگر اپنے ہی گھر کے واسطے
تجھ میں ہمت ہے مگر دیوار و در کے واسطے

کیا ہوا اے قوم تجھ کو تیری عزت کیا ہوئی   تیری ہمت کیا ہوئی، تیری شجاعت کیا ہوئی
تیری عزت کیا ہوئی، وہ تیری رفعت کیا ہوئی   تیری صنعت تیری حرفت تیری طاقت کیا ہوئی
سچ بتا نا آج کیوں غمگین و افسردہ ہے تو
رُخ ہیں کمھلائے ہوئے سے اور پژمردہ ہے تو

بے حسی، افلاس اور بغض و عداوت تجھ میں ہے   رنجشِ بے جا و کینہ اور نفرت تجھ میں ہے
غیر کی ہمدرد اپنوں سے کدورت تجھ میں ہے   کیا بتاؤں تجھ کو جو اے بے مروت تجھ میں ہے
تیرے جو اعمال ہیں وہ ہیں ریا کے واسطے
با خدا تجھ میں نہیں کوئی خدا کے واسطے

وہ مسرت اور وہ عشرت کا ترانہ یاد کر   جس کو تو بھولی ہوئی ہے وہ فسانہ یاد کر
وہ بہارِ بزم وہ دورِ شبانہ یاد کر   وہ تمدن اور وہ اپنا زمانہ یاد کر
ذرّے ذرّے کے جہاں پر داستان مرقوم ہے
غیر سے کیا پوچھتی ہے تجھ کو خود معلوم ہے

مثل قاروں کے نہ شوقِ مال و دولت چاہیئے   مثل شاہوں کے نہ فکرِ جاہ و حشمت چاہیئے
آسماں کی سی نہ تجھ کو حرصِ رفعت چاہیئے   ہاں یہ سب بیکار ہیں تھوڑی سی ہمت چاہیئے

اپنی ملت، اپنا ملک، اپنا وطن آزاد کر
جس قدر بربادیاں ہیں اٹھ انھیں برباد کر

دیر و مسجد چھوڑ شیخ و برہمن کے واسطے   غنچہ و گل وقف کر اہلِ چمن کے واسطے
شمعِ محفل کر فروزاں انجمن کے واسطے   تجھ کو جو کرنا ہے کر اپنے وطن کے واسطے

اس سے کچھ حاصل نہیں وہ صلح ہو یا جنگ ہو
تجھ کو اپنے رنگ سے مطلب ہے کوئی رنگ ہو

بس یہی ہے کفر تیرا اور یہی اسلام ہے   بس یہی آغاز تیرا اور یہی انجام ہے
بس یہی تحفہ ہے تیرا اور یہی انعام ہے   بس یہی اک مدعا ہے اور یہی پیغام ہے

گر رہا ہے تیرا گھر ہاتھوں پہ اس کو تھام لے
وقت عجلت کا ہے جلدی اٹھ خدا کا نام لے

ترانۂ آزادی

از:- جناب عمر انصاری لکھنوی،

بھارت کے اے سپوتو آؤ گلے لگائیں — اپنی تباہیوں کا افسانہ کہہ سنائیں
سب ایک ہو کے نغمے آزادیوں کے گائیں — پچھلی مصیبتوں کو اب دل سے بھول جائیں

بھارت کی پاک دیوی ملنے کو آ رہی ہے
آزادیوں کا جھنڈا ہمراہ لا رہی ہے

اک نور ہے جو سر سے پا تک برس رہا ہے — گویا مسرتوں کا چشمہ ابل رہا ہے
اندازِ والہانہ اقدام جاں فزا ہے — ہر ذرۂ چمن اب بیدار ہو گیا ہے

مانندِ رنگ و بو ہیں ہم ہند کے چمن میں
کتنی ہی ملتیں ہوں سب ایک ہیں وطن میں

اب وقت آ گیا ہے اٹھیں بہار بن کر — پھولوں کی انجمن کے نقش و نگار بن کر
تارِ ربابِ ہستی، موجِ شرار بن کر — جوشِ عمل کی ضو میں اک تاجدار بن کر

گلزارِ حریت میں کچھ تازہ گل کھلا دیں
پیشانیِ وطن پہ دھبا جو ہے مٹا دیں

چھوٹے ہوؤں کو اپنے سینے سے پھر لگالیں
روٹھے ہوؤں کو جیسے ممکن ہو پھر منالیں
سب اپنے اپنے دل سے بغض و تعب نکالیں
جو چیز کھو چکے ہیں، اپنی اسے بنالیں

جوہر کی مسکراہٹ ضوریز ہے شفق میں
موتی چمک رہے ہیں خورشید کے طبق میں

پہلو میں آج کیا ہے جو دل مچل رہا ہے
ارمان مدتوں کا شاید نکل رہا ہے
تھا خوار جو نصیبہ وہ پھر سنبھل رہا ہے
سویا ہوا مقدر کروٹ بدل رہا ہے

بھارت کی پاک دیوی تشریف لا رہی ہے
ہم روٹے جا رہے ہیں، وہ مسکرا رہی ہے

طالب ہے یہ عمل کی، ہے حریت کی خواہاں
اس کے سوائے اس کو کوئی نہیں ہے ارماں
فریاد کر رہی ہے با گیسوئے پریشاں
ہاں اے سپوتو، ہے تم میں جوش ایماں

کیوں دیر کر رہے ہو جھنڈے کے نیچے آؤ
جو منہ سے کہہ رہے ہو وہ کر کے بھی دکھاؤ

ہنگام یہ نہیں ہے آپس کی دشمنی کا
سوچو تو کیا نتیجہ ہوگا کٹا چھنی کا
راہ طلب میں موقع ہے یہ قدم زنی کا
یکساں رہے ارادہ محتاج اور غنی کا

گر پاؤں چومتے ہو تو بھینٹ بھی چڑھاؤ
سر میرے پاس اپنا ہاتھوں پہ رکھ کے لاؤ

قطعہ

(از:۔ جناب سید محمد مدنی صاحب نیرؔ الہ آبادی)

پھر آج زباں پہ ہے افسانۂ آزادی — پھر آج پلا ساقی پیمانۂ آزادی
ہاں بادہ پلا، لیکن وہ بادہ جسے پی کر — ہر شخص نظر آئے مستانۂ آزادی

غلامی

غلامی نے بہت صدمے دیئے ہیں روحِ آدم کو — غلامی نے مٹا ڈالا بہت اقوامِ عالم کو
غلامی باعثِ بیداریِ ملت نہیں ہوتی — غلامی کی فضا سے آشنا فطرت نہیں ہوتی
غلامی آشنا کرتی ہے انسانوں کو ذلت سے — غلامی کی جبیں کو ربط ہے پائے حقارت سے
غلامی کی صدا بے کیف بے تاثیر ہوتی ہے — غلامی زندگی کے واسطے تحقیر ہوتی ہے
غلامی سر بسر محروم ہے احساسِ غیرت سے — غلامی کو کچل دیتی ہے دنیا سنگِ نخوت سے
غلامی سے تو یوں دنیا میں کوئی خوش نہیں ہوتا — معاذ اللہ! غلاموں سے خدا بھی خوش نہیں ہوتا
غلامی بے عمل قوموں کو پیغامِ مصیبت ہے — غلامی اہلِ غفلت کے لئے لعنت ہی لعنت ہے
غلامی ایک دردِ لا دوا ہے آہ کیا کہئے — غلامی اک وبا ہے، اک بلا ہے آہ کیا کہئے
غلامی کی فضا جلوہ بہ دامن ہو نہیں سکتی — غلامی کی شبِ تاریک روشن ہو نہیں سکتی
مرے پیارے وطن! بچنا غلامی کی فضاؤں سے — گزر جا، مہرِ تابندہ کی صورت ان گھٹاؤں سے

ترے قربان، زنجیرِ غلامی توڑ دے پیارے
جو ہیں ٹوٹے ہوئے رشتے انھیں پھر جوڑ دے پیارے

ہند کی صنفِ نازک سے

(از:- جناب محمد سعید الحسن صاحب ضیا دور ہاشمی کانپوری)

ہند کی اے صنفِ نازک عمر ہو تیری دراز
تیری ہستی ہے زمانے میں سراپا سوز و ساز
اے کہ تیرے سینے میں فطرت کی ہے دنیائے راز
خندہ زن ہے تیری پستی پر زمانے کا فراز

آدمی کے واسطے قفلِ درِ رحمت ہے تو
ہیں ملک محروم جس نعمت سے وہ نعمت ہے تو

میں نے مانا مرد عزم و رزم کا مختار ہے
لیکن آخر اس حقیقت سے کسے انکار ہے
تجھ میں بھی اک جوش ہے اک جذبۂ ایثار ہے
تو زمانے میں برابر کی شریک کار ہے

کارنامے تیرے ابتک زینتِ تاریخ ہیں
تیرے تاریخی فسانے غیرتِ تاریخ ہیں

چاند بی بی، تارا بائی، رضیہ و نورجہان
جنکے افسانوں سے ہے ہندوستاں ہندوستان
جنکی عظمت جنکی ہمت سے ہے واقف کل جہان
یہ تری بہنیں تھیں سب ایسے قید کی [illegible]

فکرِ راحت ہے تجھے پروائے عظمت کیوں نہیں؟
تجھ میں سیتا کی طرح وہ عزم و ہمت کیوں نہیں؟

تیرے چہرے پر نقاب روئے فطرت چاہیئے
حُسنِ صورت سے زیادہ حُسنِ سیرت چاہیئے

غیرت و پاکیزگی و شانِ عصمت چاہیئے
تجھ کو پردے کی حقیقی معنویّت چاہیئے

تیری غیرت، تیری عصمت جوش میں جب آئے گی
دیکھنے والی نظر واللہ خود جُھک جائے گی

پردہ نامحرم سے ہر عورت کو کرنا چاہیئے
لیکن اپنے گھر میں گُھٹ گُھٹ کر نہ مرنا چاہیئے

شانہ و آئینہ سے کب تک سنورنا چاہیئے
زلف کو شانوں پہ اب تیرے بکھرنا چاہیئے

پَل رہے ہیں قوم کے بچّے تری آغوش میں
رازِ مستقبل ہے تیرے سینۂ خاموش میں

میں نے مانا، ہے ہمارا حاصلِ تقسیم تو
میں نے مانا، جانتی ہے شیوۂ تسلیم تو

میں نے مانا، ہے ازل سے واجب التعظیم تو
بھول بیٹھی ہے مگر "افسانۂ تعلیم" تو

جہل نے تیرے، ترے بچوں کو جاہل کر دیا
ان گلِ تازہ کو مُرجھانے پہ مائل کر دیا

بچّوں پہ ہوتا ہے پہلے اپنی ماؤں کا اثر
وہ اگر ہوتی ہیں دریا یہ بھی بنتے ہیں گہر

مائیں جن بچوں کی ہیں علم و عمل سے بہرہ ور
گامزن ہوتے ہیں وہ بھی جادۂ تعلیم پر

یہ تو ہیں تازہ مسافر جست بھرتے جائیں گے
راستہ جو سامنے ہوگا گزرتے جائیں گے

یورپ و امریکہ میں بھی ہیں تری بہنیں مگر
جیسی تو ہے، وہ نہیں تیری طرح بے بال و پر

تو سراپا جہل، وہ علم و عمل سے بہرہ ور
اُن کو آزادی میسّر اور تو مجبور تر

یہ نہیں مقصد کہ اُن کو رہبرِ کامل بنا
اُن کے ہر اچھے عمل کو جادۂ منزل بنا

اُٹھ خدا اسکے واسطے بیدار ہو اے محوِ خواب
تو ہی بن سکتی ہے بدبختی کا ہم سب کی جواب

ہم سے ناکاموں کو کر سکتی ہے تو ہی کامیاب
تو نے جب چاہا کیا دنیا میں پیدا انقلاب

تو ازل ہی سے کلیدِ قفلِ بابِ قوم ہے
تیری اک ہلکی سی جنبش انقلابِ قوم ہے

چونک خوابِ جہل سے اُٹھ آشنائے علم بن
اپنے بچّوں کے لئے خود رہنمائے علم بن

ابتدا کیا چیز ہے، تو انتہائے علم بن
لطف تو جب ہے کہ سرتاپا ادائے علم بن

علم کی جس روز تیرے انتہا ہو جائے گی
ہند کی دنیا غلامی سے رہا ہو جائے گی

انوکھا دیس!

(از: جناب فیاض الدین احمد صاحب فیاض گوالیاری بی۔ اے سکریٹری ناظمہ جات اصلاحی رکن بزم اردو لشکر گوالیار)

اک ایسا دیس بھی ہے اس جہاں میں اے جہاں والو	جہاں انساں سے انساں کو انسیت نہیں دل میں
جہاں ہوتا ہے خون انسانیت کا نام مذہب پہ	بچھائے جاتے ہیں پھولوں کے بستر کوچۂ قاتل میں
جہاں بچوں کو چیریں، عورتوں کی چھاتیاں کاٹیں	جہاں بوڑھوں کی گردن مار کر خوش ہوں بہت دل میں
جہاں باجے بجا کر سنکھ کی دھن میں خلل ڈالیں	جہاں قربان ہوں گائیں برہمن کے مقابل میں!
جہاں گھر کو جلا دیں گھر میں بیکس کو پنہ دیکر	جہاں مظلوم کی چیخوں پہ بے رحمی سے ہنسے دل میں
جہاں برسائے جائیں اینٹ پتھر راہ چلتوں پہ	نہتے لوگ گھر جائیں جہاں انبوہ قاتل میں۔!
جہاں کتے کی موت انسان مارے جائیں گلیوں میں	جہاں چھریاں اتاریں بے خبر ہمسایہ کے دل میں۔!
جہاں بیٹھے بٹھائے ایک طوفان ستم اٹھے	ہوا دیوانگی کی چل پڑے ہشیار و غافل میں۔!
جہاں دم بھر میں آپس داریاں مٹ جائیں صدیوں کی	ادھر آنکھوں میں میل آئے غبار آئے ادھر دل میں
جہاں اک مذہبی ہیرو بنا لیں ہر فسادی کو	جہاں ہو لیڈری کی شان ہر مفسد میں، جاہل میں
قدم رکھتے جہاں شرمائے انسانی رواداری	لہو کے آنسوؤں روئے جہاں انسانیت دل میں
جہاں ہر ناسمجھ کی رائے سے مرعوب ہوں لیڈر	جہاں حق بات کی جرأت نہ ہو انسان کے دل میں
وطن کرتا ہو قربان پیٹ پر اک۔ ایک شہرت پر	جو ہو کچھ فرق، تو یہ فرق ہو نادان و عاقل میں
جہاں بیڑے کو دیکھیں ڈوبتا کھولے ہوئے آنکھیں	جہاں منہ سے کہیں سب کچھ، مگر کچھ بھی نہ ہو دل میں

جہاں خلقت کے ان داتاؤں کا چوسیں لہو جونکیں
جہاں عزت کی ترقی بھی ہو تحصیل محاصل میں!

جہاں سو میں سے اک، دولت نے ہیں گاڑ کر رکھتے
جہاں ننانوے کی زندگی کٹتی ہو مشکل میں

جہاں چھوتے ہوئے ڈرتا ہو ایک انسان کو انساں
جہاں نیچ اونچ کے پھندوں سے ہو کل قوم مشکل میں

جہاں ملنے نہ دیتی ہو دلوں کو نفرت باہم
ہوائی تیر سے چوٹیں ہری ہوتی ہوں ہر دل میں

گڑے مردے اکھڑتے ہوں جہاں جھوٹے فسانوں سے
بھڑک اٹھتی ہوں رہ رہ کر جہاں چنگاریاں دل میں

جہاں ہٹ دھرمیاں باندھے ہوئے ہوں مورچہ اپنا
جہاں حب وطن جکڑی پڑی ہو قلعۂ دل میں

جہاں پٹیوں پہ پتھر باندھ لیں سینوں کے بن سنگیں
مگر آپس میں مل جانے کی گنجائش نہ ہو دل میں!

سنا ہے تھا کبھی اس دیس میں ایسا بھی جگ کوئی
وہاں الے گنے جاتے تھے جب مردان عاقل میں

سنا ہے شرم بھی تھی انہیں غیرت بھی سمجھ بھی تھی
سنا ہے قابلیت تھی وہاں ہر فرد قابل میں!!

سنا ہے ان میں تھا ایثار بھی، خلق و مروت بھی
سنا ہے وہ جگہ کرتے تھے ہر انسان کے دل میں

سنا ہے بدھ اٹھی بیرحم قوموں میں ہوا پیدا
سنا ہے رام آئے تھے اسی ویران منزل میں

سنا ہے کرشن کا نغمہ انہی خطوں میں گونجا تھا
سنا ہے پریم کی بنسی بجی تھی ان منازل میں

سنا ہے جب بھلے دن تھے تو مٹی لعل اگلتی تھی
سنا ہے خلق موتی رولتی تھی ان کے ساحل میں

انوکھی بات ہے یہ کچھ سمجھ میں تو نہیں آتی
سنا ہے وہ جہاں میں یوں تھے جیسے شمع محفل میں

انہیں سے ہر جگہ تہذیب پھیلی روشنی پھیلی
وہی جو شکل انساں اب ہیں اور حیوان ہیں دل میں

تمیز اچھی بھلائی اور برائی کی نہیں مطلق
نہیں معلوم ہیں بھولے ہوئے کس وہم باطل میں

پرستش علم کی دیوی کی شاید اب نہیں ہوتی
برائی کے مٹانے والے، کی عزت نہیں دل میں

وہ بھوکا دیس جس کو پھوٹ نے برباد کر ڈالا
انوکھا دیس تھا فیاض اس دنیا کی منزل میں

تعجب کیا بہار آ جائے اس اجڑے گلشن پھر
مری فریاد کا کانٹا ان کے چبھ جائے اگر دل میں!

"دعوتِ عمل"

(از:- جناب سید خلیل احمد صاحب شمیمؔ، خلف حضرت وسیمؔ خیرآبادی مرحوم)

ہاں! آؤ زندگی میں ہم کوئی کام کر لیں
لبریز یا پھر اپنی ہستی کا جام کر لیں

تارے گنیں یہ کیا ہے دن ہی ابھی پڑا ہے
کیوں صبحِ ہجر ہی کو مانندِ شام کر لیں

اس وقت ہوگا حاصل کچھ لطفِ زندگی کا
تیغِ عمل کو ہم بھی جب بے نیام کر لیں

اپنی ہی ذات تک ہو کیوں سعیِ خیر جوئی
اس درد کو شریکِ بہبودِ عام کر لیں

ساقی تو چاہتا ہے محروم بادہ رکھنا
ہم خود ہی کیوں نہ آخر لبریز جام کر لیں

ساغر اگر پڑے ہیں ٹوٹے ہوئے تو کیا غم
چلّو کو اپنے ساغر ہم تشنہ کام کر لیں

تقسیم سے ہو، لیکن شایانِ شانِ رنداں
ہم بیخودی سے پہلے یہ اہتمام کر لیں

رکھتا بجائے خود ہے ہر رند منزلت کچھ
لازم ہے ہم لحاظِ ہر ننگ و نام کر لیں

ہم دعوتِ نظارہ عالم کو کیوں نہ دیدیں
کیوں شاہدِ عمل کو خلوت مقام کر لیں

مانا کہ دانہ دانہ رکھتا ہے دل فریبی
ہم کیوں نہ امتیازِ صیاد و دام کر لیں

سمجھے، اگر زمانہ کہتا ہے خام اس کو
ہم بھی تو امتحانِ سودائے خام کر لیں

وہ ہوک، جو دلوں میں رہ رہ کے اٹھ رہی ہے
اس کو نہ کیوں بہ شکلِ لطفِ دوام کر لیں

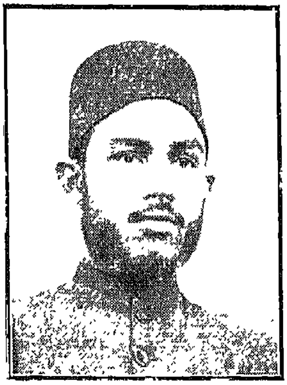
یہ بھی کبھی نہ چھوٹے رشتہ نہ اس کا ٹوٹے
یوں صیدِ آشتی کو ہم زیرِ دام کر لیں

کچھ وسعتِ دنیا کو بخشیں لطفِ عمل نوازی
کانوں کو ہم جو وقفِ لطفِ کلام کر لیں

آنکھیں ہیں پاس، دیکھیں کچھ اور بھی ادائیں
کیوں خود کو صرفِ محوِ طرزِ خرام کر لیں



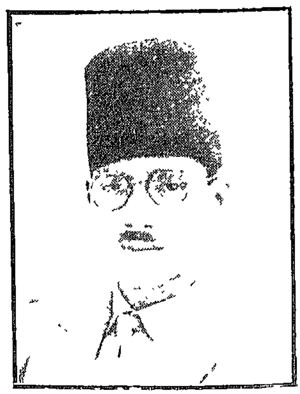
دور ہاشمی



نیئر الہ آبادی



فیاض گوالیاری



منظر اکبر ابادی



کُشتہ گیاوی

آخر خبر شد بودن از انقلاب تا کے — اے صاحبانِ غفلت اُٹھو وقتِ خواب تا کے

دیکھو! عمل کی دیوی وہ مسکرا رہی ہے — بجلی گرا رہی ہے غیرت دلا رہی ہے

بکھرے ہوئے نہیں ہیں موئے دراز اس کے — افسانہ ہائے ماضی تم کو سنا رہی ہے

زنہار! تم تبسم پر اس کے خوش نہ ہونا — اک شمعِ بزم سمجھو جو جھلملا رہی ہے

کب پھول جھڑ رہے ہیں اسکی ہنسی سے پیہم — تم سب کی غفلتوں پر آنسو بہا رہی ہے

کب ہے لچک کمر میں افراطِ نازکی سے — یہ ضعف کے سبب سے یوں لڑکھڑا رہی ہے

بہتاتِ تازگی سے چہرہ نہیں دمکتا — یہ وقتِ واپسیں کا منظر دکھا رہی ہے

ہرگز نہ تم سمجھنا رقصِ سرور اس کو — یہ فرطِ دردِ غم سے یوں تلملا رہی ہے

ہے چاک دامن اسکا ہرگز یہ شک کرنا — حالات کا تمہارے نقشہ دکھا رہی ہے

دامن میں اس کے ہرگز گرہیں نہیں پڑی ہیں — تم کو تمہاری بھولی باتیں بتا رہی ہے

اپنے لئے نہیں ہے ذوقِ ترنم اس کا — غفلت کی نیند سے یہ تم کو جگا رہی ہے

منظور ہے تمہاری تنبیہ۔ کہ نہیں کچھ — غیروں کی سمت سے جو فتنے اٹھا رہی ہے

ہے بربنائے غیرت یہ اس کی دورباشی — اس سے نہ تم سمجھنا دامن بچا رہی ہے

احساس جب تمہیں کو پیدا نہ ہو تو کیا ہو۔ — آغوشِ الفت اسکی ہر وقت وا رہی ہے

ہو جوش تو اٹھو تم ہو شوق تو بڑھو تم — دیکھو تمہاری جانب وہ خود اب آ رہی ہے

لپکو! گلے لگا لو! آغوش میں اٹھا لو — اب تک تو بیکسی میں یہ مبتلا رہی ہے

ہے جو ادا رہی ہے دل موہ لینے والی — ہے جو نظر پیامِ اقدام لا رہی ہے

دل میبرد ز دستم صاحبدلاں خدا را
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

حُبِّ وطن

از جناب منظر صدیقی اکبرآبادی "مدیر کنول" آگرہ

اے مرے دلربا وطن، مشرقِ پُرضیا وطن — نور وطن، صفا وطن، ماہ وطن، سہا وطن
میں تری ہر ادا سے ہوں صد گل و لالہ درنظر — تو ہے مری نگاہ میں جنتِ جانفزا وطن
ہیں ترے سبزہ زار پر چھائی ہوئی لطافتیں — سرد تری ہوا وطن، مست تری گھٹا وطن
روح میں اک سرور ہے، ذہن میں اک غرور ہے — دل میں ہے موجزن تری نور بھری فضا وطن
رفعتِ کوہسار سے تیری بلندیاں عیاں — نغمۂ آبشار میں تو ہے نوا سرا وطن
چاندنی تیری شمعِ بزم، اور بہار گل فروش — عطر میں اور کیف میں تو ہے بسا ہوا وطن
اپنے حریمِ پاک سے میری عقیدتیں نہ پوچھ — قابلِ سجدہ ہیں مجھے حسن، خدا، و فا وطن

تو ہے مآلِ زندگی نشو و نما بھی تجھ سے ہے
میری بقا بھی تجھ سے ہے اور فنا بھی تجھ سے ہے

حُبِّ وطن جو حاصلِ عشرتِ روزگار ہے — میرا اصولِ زندگی، میرا نظامِ کار ہے
حُبِّ وطن سے روح کا کیف بڑھا ہوا ہوں میں — دل میں ہے ایک نشہ سا، آنکھ بھی پُرخمار ہے
حُبِّ وطن ہے نغمہ گر چنگ میں اور جنگ میں — نزہتِ لالہ زار ہے، مصیبتِ کارزار ہے
حُبِّ وطن کی آگ سے دل میں ہے گرمیِ حیات — نغمہ بھی سوز آفریں، ساز بھی شعلہ بار ہے
حُبِّ وطن کے جوش میں مستِ مئے خیال ہوں — طوق گلے میں ہو تو ہو، دل پہ تو اختیار ہے
حُبِّ وطن سے ہے قفس حاملِ عیشِ آشیاں — ایک خیالِ حریت حاصلِ صد بہار ہے
حُبِّ وطن سے کام لے، حُبِّ وطن کر اختیار — ہے وہی عظمتِ وطن جسکو وطن سے پیار ہے

ہے یہی ایک شاہراہ زندگیِ دوام کی
مُہر وطن پہ ثبت کر خون سے اپنے نام کی

ہندی نوجوان سے خطاب

از جناب عرشی صدر انجمن ارباب ادب لکھنؤ

پابندِ جنوں رہ کر دل کو ہر قید سے بیگانہ کر دے / ہر ذرّے کو صحرا کر دے ہر قطرے کو دریا کر دے
پھر نغمۂ شیخ و برہمن کو اک ساز میں تو پیدا کر دے / پھر کعبے کو بتخانہ بنا، بتخانے کو کعبا کر دے
مرجھائے ہوئے پھولوں میں پھر بھر دے تو ایسا رنگ کوئی / فردوسِ نظر دنیا کے لیے جو ہند کا نظارا کر دے
آنکھوں سے غائب کر دے پھر تصویرِ بتانِ مغرب کو / لیلائے وطن کے جلووں کا ہر دل کو آئینا کر دے
پھر پھونک دے کوئی روحِ عمل تو خاک کے بے حس پتلوں میں / پھر ہر تصویرِ بیجاں کو زندہ کر دے گویا کر دے
پھر ایسا ہوش رُبا نغمہ پیدا کر سازِ شکستہ سے / جو ہر گل کو بلبل کر دے ہر شمع کو پروانا کر دے
پھر قوم کو تو شمشیروں کے سائے میں جینا سکھلا دے / پھر مرگ و زیست کے خطروں سے ہر دل کو بے پروا کر دے
پھر خارِ وطن میں پیدا کر گلہائے چمن کی رنگینی... / پھر خاک کے ذرّے ذرّے کو آنکھوں کیلئے تارا کر دے
ہندو کو مسلم دل سمجھے، مسلم کو ہندو جاں سمجھے / لبریزِ الفت سے یوں ہر دل کا پیمانا کر دے
جینے کی تمنا گر ہے تجھے مرنے کا ذوق بھی پیدا کر / مطلوب اگر ہے تجھ کو بقا تو خود کو نذرِ فنا کر دے
ظالم بھی نہ جسکو دیکھ سکے وہ تصویرِ مظلومی بن / بے جنگ و جدل پھر نالوں سے دنیا کو تہ و بالا کر دے

پھر اپنے شعلۂ باطن سے تو ہند کو بزمِ نور بنا
پھر خاک کے ذرّے ذرّے کو چمکا کر رشکِ طور بنا

بیگانۂ حالِ زبوں کیلئے آئینہ مستقبل ہو جا / ہر گم کردہ منزل کیلئے تو ہی خضرِ منزل ہو جا
اک حشر بپا کرنے کیلئے آوازِ شکستِ دل ہو جا / قاتل بھی جو دیکھے ہو بسمل وہ رقصِ دلِ بسمل ہو جا

یا سوزِ دلِ پروانہ یا شمعِ سرِ محفل ہو جا
یعنی دنیائے محبت مین رہنے کے تو قابل ہو جا

ہر قلب کی تو تجلی ہو جا ہر روح کی تو مستی بن جا
ہر درد کا تو درماں بن جا ہر ارماں کا حاصل ہو جا

بن جا تو کبھی تصویرِ جنوں دکھلا تو کبھی ضبطِ عاقل
یعنی ہو روانی میں دریا رک جانے میں ساحل ہو جا

رہبر کی ضرورت کیا تجھکو۔ رہوار کی حاجت کیا تجھکو
خود ہی جادہ خود ہی رہرو خود ہی خضرِ منزل ہو جا

گر دین کا سالک ہو نہ سکا دنیا ہی کا مالک بن جا
یا مرنے کا حاصل ہو جا یا جینے کا حاصل ہو جا

پھر اپنے جلوۂ باطن سے بن کعبۂ چشمِ تماشائی
پھر حسنِ رخِ لیلیٰ کے لیے تو سرتاپا محمل ہو جا

ایثار و خلق و محبت کا پتلا بن کر پھر دنیا مین
بسمل کے لیئے ہو وجہ سکوں بیدل کیلیئے تو دل ہو جا

معیارِ صداقت بنکر پھر تو جلوہ نما ہو دنیا مین
پھر بندۂ حرص و ہوا کیلیئے تمیزِ حق و باطل ہو جا

پھر پیکرِ جوشِ جنوں بن کر ہو جا دنیا کی روحِ رواں
پھر ہو کے شہیدِ حبِ وطن زندوں میں تو شامل ہو جا

پھر اپنے ماضیِ زریں کو واپس لے آ مستقبل میں
پھر آزادی کی لیلیٰ کو بٹھلا دے لا کر محمل میں



بیگم زاهده خاتون لکهنوي

زنجیرِ غلامی

از جناب زاہدہ خلیق الزمان صاحبہ زاہدہ لکھنوی

کہاں تک اے ستمگر پیچ تدبیریں غلامی کی — کہ اب بار گراں ہیں دل کو زنجیریں غلامی کی
سبق دیتی ہیں آزادی کا تاثیریں غلامی کی — زبانِ حال سے کہتی ہیں تصویریں غلامی کی

ہم اپنا ملک، اپنا تخت، اپنا تاج لے لیں گے
کہے دیتے ہیں ہم اس سال میں سوراج لے لینگے

رہے گی ایک قوم غیر کب تک حکمراں ہم پر — کہاں تک ہونگی گوناگوں ستم آرائیاں ہم پر
رہیں خوش قید میں ہم اور ہنسے سارا جہاں ہم پر — سنا اب آپ خوش ہوں یا خفا ہوں مہرباں ہم پر

ہم اپنا ملک، اپنا تخت، اپنا تاج لے لیں گے
کہے دیتے ہیں ہم اس سال میں سوراج لے لینگے

بہت دن تک اٹھائے ناز بیجا آپ کے ہم نے — کلیجہ اب تو چھلنی کر دیا ہے خنجر غم نے
ہوئی بیدار دنیا کروٹیں بدلی ہیں عالم نے — اٹھایا ہے بیڑا اب ہماری قوم بیدم نے

ہم اپنا ملک، اپنا تخت، اپنا تاج لے لیں گے
کہے دیتے ہیں ہم اس سال میں سوراج لے لیں گے

بہت دن تک اٹھائے فائدے ہم پر حکومت کی — مٹا ڈالا ہمیں، اور اپنے قبضے میں تجارت کی
دیئے دھوکے، اڑائیں دھجیاں داران صنعت کی — حفاظت خود کرینگے اب ہم اپنے ملک و ملت کی

ہم اپنا ملک، اپنا تخت، اپنا تاج لے لیں گے
کہے دیتے ہیں ہم اس سال میں سوراج لے لیں گے

بہت دن تک لڑایا تم نے ہمکو اپنی فطرت سے
ہو کیوں مانع ہمیں پابند رکھکر اوج رفعت سے
نہ دھوکا کھائینگے اب بھول کر فرضی محبت سے
یہ صاف الفاظ مین ہندی کہیں گے اب حکومت سے
ہم اپنا ملک اپنا تخت، اپنا تاج لے لینگے
کہے دیتے ہیں ہم اس سال میں سوراج لے لینگے

ستمگاری کہانتک اب نہ مضطر دل کو تڑپاؤ
جو ہے انصاف کا دعویٰ تو کچھ انصاف دکھلاؤ
نہیں کچھ مانگتے تم سے ہمارا حق ہمیں دیدو
نہیں تو پھر یہ ہونا ہے بہت اچھی طرح سن لو
ہم اپنا ملک اپنا تخت اپنا تاج لے لینگے
کہے دیتے ہیں ہم اس سال میں سوراج لے لینگے

ہمارا ملک ہے اسکی حکومت حق ہمارا ہے
بتاؤ تو یہاں پر کون سا حصہ تمھارا ہے
کہ آزادی کی خاطر ہم کو ہر ایذا گوارا ہے
خدا کے فضل سے رفعت پہ قسمت کا ستارا ہے
ہم اپنا ملک اپنا تخت، اپنا تاج لے لینگے
کہے دیتے ہیں ہم اس سال میں سوراج لے لینگے

مٹا جاتا ہے نام ہند اے آشفتہ سامانو
کہانتک سختیاں جھیلو گے آخر اے گران جانو
اٹھو اور متحد ہو جاؤ اے ہندو مسلمانو
لگاؤ نعرہ آزادی کا یوں ہندوستان والو
ہم اپنا ملک اپنا تخت، اپنا تاج لے لینگے
کہے دیتے ہیں ہم اس سال میں سوراج لے لینگے

یہ سب آزاد ہیں اب رنگ آزادی دکھائیں گے
کہ اب ہندوستان والے قفس مین نہ آئینگے
مرین گے جان دینگے غم سہیں گے جیل جائینگے
مگر اے زاہدہ اب جشن آزادی منائینگے
ہم اپنا ملک اپنا تخت اپنا تاج لے لین گے
کہے دیتے ہین ہم اس سال مین سوراج لے لیں گے

انتباہ

از جناب سخاوت حسین صاحب سخا شاہجہان پوری

اہلِ عالم کی زبان بھی اور ترا افسانہ تھا　　تو ہی دنیا مین حریفِ ہمتِ مردانہ تھا
بات کل کی ہے کہ قبضہ مین ترے پیمانہ تھا　　سب تو میکش تھے مگر تو صاحبِ میخانہ تھا
اب یہ وقت آیا کہ رسمِ دورِ مَے باقی نہین
میکدہ تو ہے وہی لیکن کوئی ساقی نہین

فطرتِ آزاد تیرے لے رہی ہے امتحان　　تو مگر غافل ہے او ناواقفِ سود و زیان
زندگی چاہے تو بن جا زندگی کا رازدان　　ورنہ تجھکو پیس ڈالین گے زمین و آسمان
نیند سے بیدار ہو یہ وقت سونے کا نہین
زیست وہ سرمایہ ہے جو جمع ہونے کا نہین

کام ہین تیرے ادھورے کوششین ہین ناتمام　　وائے نادانی کہ تو ہے اور مَے غفلت کا جام
مقصدِ تخلیق کا واجب ہے تجھ پر احترام　　گوشِ دل سے سُن کہ فطرت دے رہی ہے کیا پیام
اے ضمیرِ لفظِ کُن اے رازدارِ زندگی
چند روزہ ہے زمانے مین بہارِ زندگی

قصرِ استبداد کے کیا دیکھتا ہے بام و در　　اپنی دنیا خود بنا ہے ذوقِ آزادی اگر
شمع کے آنسو بہین خود اپنے ہی انجام پر　　خاکِ پروانہ اگر ہو صرفِ تعمیرِ سحر
کام لینا چاہیئے تجھ قوتِ تسخیر سے
فائدہ کیا شکوۂ ناکامیِ تقدیر سے

زندہ ہے لیکن متاعِ زیست سے محروم ہے   تو نہیں واقف کہ آزادی کا کیا مفہوم ہے
بے خبر اپنی حقیقت بھی تجھے معلوم ہے   نوعِ انسان ہے مگر انسان کا محکوم ہے

اپنا رہبر بن تلاشِ رہبرِ منزل نہ کر
کام لے ہمت سے فکرِ عقدۂ مشکل نہ کر

منزلِ جمہوریت اک راہِ ناہموار ہے   مجلسِ اصلاح و آئینِ قیصری دربار ہے
قوتِ سرمایہ داری پر سرِ پیکار ہے   جو کیا کرتا ہے محنت وہ ذلیل و خوار ہے

اہلِ ثروت کی نگاہ خشمگین مشہور ہے
بات یہ ہے وہ ہیں مالک اور تو مزدور ہے

بے حسی کی نیند سے ہشیار ہو اے محوِ خواب   تیری اک کروٹ میں مضمر ہیں ہزاروں انقلاب
یہ جمودِ مستقل بن جائے وجہِ اضطراب   ذرے یوں چمکیں کہ ہوں خورشیدِ خاور کا جواب

جام صہبا دے رہا ہے ساقیِ فطرت تجھے
اب دکھائے گی عروسِ آرزو صورت تجھے

کامیابی کی نظر میں منظرِ بیداد کیا   حریت کی راہ میں اندیشۂ افتاد کیا
فکرِ گلچیں کیا خیالِ نکہتِ برباد کیا   ہوش میں آ شکوۂ بے رحمیِ صیاد کیا

اجتماعی قوتوں سے اک جہان تو بنا
جمع کر اوراقِ گل اور گلستان تو بنا

قوم کے افراد یعنی خشتِ دیوارِ وطن   متحد ہو کر بڑھائیں سطوت و شانِ وطن
سر میں سودا دل میں ہو تو پیرِ عرفانِ وطن   جمع اک مرکز پہ ہو جائیں نگہبانِ وطن

پھر جنون افزا بہار آنے کا کچھ سامان ہو
اس چمن کی ہر روش کا اک نیا عنوان ہو

انقلاب زندہ باد

از جناب پنڈت آنند نرائن ملا صاحب بی اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ لکھنؤ

شوق ہوا بے حجاب — ختم ہوا دورِ خواب
آگیا روزِ حساب — قوم کا چمکا شباب
زندہ باد انقلاب

انقلاب زندہ باد

سرخیِ عنوانِ ما — جذبۂ پنہانِ ما
ہم دل و ہم جانِ ما — گوہرِ دامانِ ما
آیتِ ایمانِ ما

انقلاب زندہ باد

فتنہ و شر تا بکے — دورِ قمر تا بکے
طاعتِ زر تا بکے — خونِ ہنر تا بکے
زیر و زبر تا بکے

انقلاب زندہ باد

کب تک اسیرِ محن — کوہکنِ خستہ تن
خسروِ پُر مکر و فن — خندہ زن و کامزن
طرحِ جہانِ نو فگن

انقلاب زندہ باد

جہل و کدورت مٹا   شان در مٹا
جوشِ خصومت مٹا   زعم حکومت مٹا
رنج صعوبت مٹا
انقلاب زندہ باد

توڑ پرانا نظام   دائرہ خاص و عام
بندشِ قوم و مقام   دے یہ جہان کو پیام
سیکھے اخوت کا نام
انقلاب زندہ باد

دُور ہو سب ایک بار   تفرقہ روزگار
مفلس و سرمایہ دار   بندہ و با اختیار
کشمکشِ گیر و دار
انقلاب زندہ باد

پھر سے لگا اک چمن   سرو و گل و یاسمن
قمری شیریں دہن   جب ہو وہاں نغمہ زن
گونجے فضائے وطن

انقلاب زندہ باد

صبح ہو جب آشکار   از طرفِ کوہسار
یہ خبرِ خوشگوار   گل کو سنا، اے ہزار!
وعدۂ فصلِ بہار
انقلاب زندہ باد

سہل کنِ مشکلات   قوم کی راہ نجات
دہر کا رازِ حیات   فلسفۂ کائنات
لاکھ سخن، ایک بات
انقلاب زندہ باد

نغمۂ مستانہ

از جناب بسمل الہ آبادی

(۱)

گرفتارِ بلا بےتاب محزوں خستہ تن ہم ہیں
مگر اس پر بھی وجہِ زینتِ رنگِ چمن ہم ہیں

ستم گر فتنہ جو عیّار ظالم سے کوئی کہہ دے
کہ سودا ہے وطن کا سر میں شیدائے وطن ہم ہیں

لباسِ حُبِّ ملکی پنج کے رنگ اپنا دکھائے گا
بنیں گے جس سے پھاہے زخم کے وہ پیرہن ہم ہیں

ہماری روشنی سے روشنی عالم میں پھیلی تھی
اندھیرا دور جس سے ہو گیا ایسی کرن ہم ہیں

ملے گی چادرِ خاکِ وطن بے جان ہونے پر
کفن والے نہ یہ سمجھیں کہ محتاجِ کفن ہم ہیں

ہمارے واسطے زنداں نہیں ہے بزمِ جنت ہے
فروغِ انجمن زینت دہِ صدرِ انجمن ہم ہیں

فدا کر دیں گے لیلائے وفا پر جانِ شیریں تک
کمالاتِ جنوں میں قیس ہم ہیں کوہکن ہم ہیں

ہمیں تعظیم سے ہے کام مندر ہو کہ مسجد ہو
حرم میں شیخ ہم ہیں بتکدے میں برہمن ہم ہیں

ارادہ ہے بڑھا کر ارتباطِ ہند و مسلم
دکھا دیں دشمنوں کو صورتِ گنگ و جمن ہم ہیں

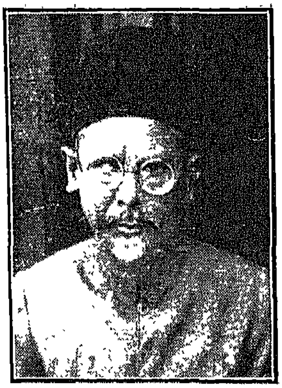
ادھر ہے آندھیوں کا زور ادھر سیلاب دریا کا
حفاظت چاہیئے ہر دم کہ بنیادِ کہن ہم ہیں

گرفتارِ مصائب ہو کے غم ہو کیا مصائب کا
زمانہ جانتا ہے خوگرِ دار و رسن ہم ہیں

نہ وہ اگلا ترانہ ہے نہ وہ اگلا فسانہ ہے
زمانے میں ہمارا اب گیا گزرا زمانہ ہے



ذوقي گونڈوي



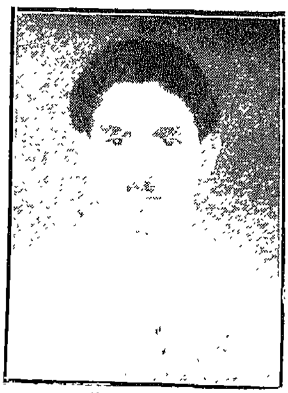
سخا شاہجہانپوری



بسمل الہ آبادی



عرشی لکھنوی



روش صدیقي

(۳)

وطن پر مرنے والوں کی بڑی قسمت سمجھتے ہیں
یہی جنت ہے اسکو رشک صد جنت سمجھتے ہیں

جنوں یہ ہے کہ تکمیلِ جنون بھی جلد ہو جائے
مصیبت کیا مصیبت ہے اسے راحت سمجھتے ہیں

یہی جینے کی صورت ہے تو لعنت ایسے جینے پر
یہی ہے زیست تو اس زیست کو زحمت سمجھتے ہیں

کبھی تقدیر پلٹا کھائے گی اچھے دن آئیں گے
سمجھتے ہیں مآلِ گردشِ قسمت سمجھتے ہیں

وطن پر مرنے والوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا
کسی ملت کو دنیا میں یہ کب ملت سمجھتے ہیں

فنا ہونے کے معنی ہیں حقیقت میں بقا ہونا
ہم اسکے حسنِ مطلب کو بہر صورت سمجھتے ہیں

جفا والوں سے ڈر سکتے نہیں ہرگز وفا والے
فدا ملت پہ ہیں یہ قیمتِ ملت سمجھتے ہیں

تمھیں ہے جبر سے مطلب اسی پہ ناز ہے تم کو
ہمیں ہے صبر کی طاقت اسے طاقت سمجھتے ہیں

غلامی ہو کہ آزادی ہیں اک تصویر کے دو رخ
اسے دوزخ سمجھتے ہیں اسے جنت سمجھتے ہیں

کسی کے قبضۂ قدرت میں رہنا کوئی عزت ہے
جو اہلِ آبرو ہیں وہ اسے ذلت سمجھتے ہیں

تمھارا کام ہے اقرار کرنا پھر مکر جانا
یہ عادت ہم سمجھتے ہیں یہ ہم خصلت سمجھتے ہیں

وفا سے کام ہے ان کو وفا سے کام رکھتے ہیں
جفا والے عبث بسمل پہ سو الزام رکھتے ہیں

دل کی آگ

(از جناب حکیم سید علی صاحب آشفتہ لکھنوی)

ستم جس نے کئے ہم نے اُسے دادِ جفا دی ہے
یہ وہ شعلے ہیں جنکو اپنے دامن سے ہوا دی ہے

پتہ ظلمت میں کیا منزل کا پائیں قافلے والے
صداقت نام ہے جس شمع کا وہ تو بجھا دی ہے

دلوں میں آگ بھڑکر جو ٹوٹے ہیں رشتۂ الفت
یہ وہ حسرت ہے جس حسرت پہ دُنیا مسکرا دی ہے

فضائے ہند میں چاروں طرف شعلے بھڑکتے ہیں
یہی وہ گھر ہے جس میں آگ دشمن نے لگا دی ہے

خداوندانِ قسمت نے نہ بھولے سے ترس کھایا
بنا دینے پہ ٹکڑے دل کے بھی ہم نے دعا دی ہے

خبر کیا تھی مسیحا بن کے بھی قاتل نکلتے ہیں
سمجھتے تھے سدھر جائے گی حالت وہ دوا دی ہے

ہمارے دم نکلنے پہ بھی اُف کرتا نہیں کوئی
مگر ہم نے سدا دشمن کی بھی بگڑی بنا دی ہے

تمنائیں نہ اس دل کی کبھی بھولے بھی بر آئیں
فلک کی گردشوں نے غم سے دادِ التجا دی ہے

نہ ہم کو آس غیروں سے نہ اپنوں سے کوئی لہنا
کہ جیسے رسمِ الفت ہی زمانے نے اُٹھا دی ہے

سہے ہیں زہر کے نشتر کرم کی التجاؤں پر
فقیروں کی طرح جس در پہ بھی ہم نے صدا دی ہے

سمجھ کر چارہ گر دشمن کو دردِ دل سناتے ہیں
خدا ہی جانتا ہے بیکسی نے جو بنا دی ہے

دوا جس کی بجز دارو ہے الفت غیر ممکن ہے
وہی کٹتی ہوئی رگ دل کی ظالم نے دکھا دی ہے

نہ دے مظلومیت کی داد کوئی یہ تو قسمت ہے
مگر ہم نے تو غم کی داستاں سب کو سنا دی ہے

تصادم کرکے باہم ہند کے ہندو مسلماں نے
قیامت ہے کہ بنیادِ تمنا ہی مٹا دی ہے

وفا دشمن کہاں سے لائیں جذبے چارہ سازی کے
غلامی پر ہیں نازاں بن کے بندے بے نیازی کے

دکھائیں کسکو دل کے گھاؤ کوئی چارہ گر بھی ہے / مسیحائی کے قابل اب کہیں زخم جگر بھی ہے
یہ مانا چارہ گر ہی چارہ گر بالیں پہ بیٹھے ہیں / کرم کی اس نمائش میں مگر روح اثر بھی ہے
مداوائے مریض جاں بلب کرتے نہیں بنتا / مرض پہچان لے اتنا کوئی صاحب نظر بھی ہے
اثر الٹے دکھائے جوہر اکسیر نے اب تک / نہ آئی چارہ سازی راس کچھ اسکی خبر بھی ہے
بنا اضداد پر اس کالبد کی اے مسیحا ہے / مزاج معتدل پیدا کرے اتنا اثر بھی ہے
نہ سمجھا کچھ بھی اے فطرت شناس دل کہ دل کیا ہے / یہ وہ نقطہ ہے جسمیں شام بھی مضمر سحر بھی ہے
کوئی آسان ہے سب کو سمو کر ایک کر دینا / ہوا بھی خاک بھی پانی بھی آتش ہے شرر بھی ہے
مساوات عمل کا نام جذب کہربائی ہے / کشش کے واسطے اک خاص انداز نظر بھی ہے
نظام دل جگر سے سیکھ تہذیب رواداری / محبت کی نظر کو پڑھ ادھر بھی ہے ادھر بھی ہے
وفا کے عہد نگیں توڑ دینے کو نہیں ہوتے / محبت کی بنا دل پہ بھی ہے پیماں پہ بھی ہے
قیامت ہے کہ ہم مظلوم بھی بنتے ہیں ظالم بھی / جفاؤں کے گلے بھی ہیں جفاؤں پر نظر بھی ہے
کرم کی التجا غیروں سے اور اپنوں پہ بیدادیں / دل بیدار بھی پہلو میں ہے اور بے خبر بھی ہے
بڑے پُر پیچ ہیں ہستی کے جادے بستیاں دل کی / نہ جانے اس کڑی منزل کے قابل راہبر بھی ہے
جہاں انسانیت دیتی ہے تعلیم وفا دل کو / ابھی اس منزل تقدیس پہ تیرا گذر بھی ہے

صداقت کو جگر سے دل میں آشفتہ وفا یہ ہے
نفاق دائمی کے واسطے بہتر دوا یہ ہے

بیداریٔ مشرق

(از جناب روش صدیقی)

انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب
وقت آیا ہے کہ اُٹھے روئے گیتی سے نقاب
انقلاب اے ساکنانِ ارضِ مشرق!
انقلاب ——————— !

اے جمالِ شمعِ آزادی کے پروانو! اُٹھو
سو چکے اے قصرِ ملت کے نگہبانو! اُٹھو
بادۂ بیداریٔ مشرق کے مستانو! اُٹھو
اب جگا بھی دو بہت کچھ سو چکا ہے آفتاب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

نوجوانو! اب نشاطِ کنجِ تنہائی کہاں؟
اے شجاعو! تم کہاں، یہ عیشِ پیمائی کہاں؟
چھوڑ کر بزمِ محفل کو، دفعتہً محفل آرائی کہاں؟
دور پھینکو ساغر و پیمانہ و چنگ و رباب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

زندگی ——— پائندگی ہے روحِ آزادی کے ساتھ
زندگی ——— پائندگی ہے روحِ آزادی کے ساتھ

زندگی ہی زندگی ہے روحِ آزادی کے ساتھ
زندہ رہنا ہے تو آزادی سے کیسا اجتناب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق انقلاب

اب بھی آنکھوں میں تمہاری رنگ غفلت دیدہ ہے!
خوابِ مستقبل کی ہر تعبیر ناپوشیدہ ہے!
انتظارِ صبح کیسا! صبح خود خوابیدہ ہے!
تم ہی خود بڑھکر اُلٹ دو مہرِ زریں کا نقاب
انقلاب اے ساکنانِ ارضِ مشرق انقلاب

برق ہو آنکھوں میں دل میں آتشِ پروانہ ہو
ہوش بھی آئے تو لب پر نعرۂ مستانہ ہو
خامشی میں جرأتِ بیدار کا افسانہ ہو
زندگی کب تک اسیرِ اعتکاف و احتساب!
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق انقلاب

زیست کی قیمت ہی کیا ہے پیشِ مردانِ وفا
کوئی پوچھے کربلا سے ——— رازِ پیمانِ وفا
ہاں دکھا دو، اے شجاعو! جوشِ ایمانِ وفا

بے حدود و بے کنار و بے شمار و بے حساب!
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

دردِ ملت لے کے اے ملت کے غمخوارو چلو!
اے جوانو! اے دلیرو! اے رضا کارو! چلو!
منتظر ہے رحمتِ یزداں —— وفادارو! چلو!
یونہی کھل جاتے ہیں اکثر قصرِ آزادی کے باب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

سرخیِ خونِ وفا سے زندگی گلریز ہے
غیرتِ مزدور —— برقِ خرمنِ پرویز —— ہے
جسکا تیشہ آج شعلہ بار و آتش خیز ہے
ہاں وہی ہے کامران و کامگار و کامیاب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

شرم آئے اپنی ناکامی پہ استبداد کو!
اب نہ صیادی کی جرأت ہو کسی صیاد کو!
تیز کر دو شعلہ ہائے فطرتِ آزاد کو!
بجلیوں سے سیکھ لو رازِ سکون و اضطراب!
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

آسمانِ سرفروشی کے ستاروں کی قسم!
پاک بازوں کی قسم شبِ زندہ داروں کی قسم!
تم کو ناموسِ وطن کے جاں نثاروں کی قسم!
جاگ اُٹھو! دیکھو گے کب تک یوں ہی اُمیدوں کے خواب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

جاں نثارانِ وطن ہیں وارثِ دارالسلام
ہے بہت اونچا وطن پر مرنے والوں کا مقام
لیکن اس منزل میں اقدام تشدد ہے حرام
تیغ اخلاص و صداقت ہی ہے تیغ کامیاب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

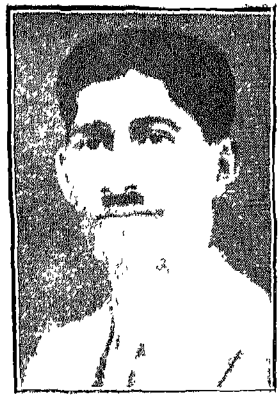
ہوشیار! اے غافلانِ حالِ بربادِ وطن!
ڈھونڈھتی پھرتی ہے تم کو روحِ ناشادِ وطن!
گر ہوا اب بھی نہ تم کو پاسِ فریادِ وطن!
آہ کیا دو گے وطن کے ذرّے ذرّے کو جواب؟
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب!

خیالِ وطن

(از جناب رحم علی الہاشمی مشن بلڈنگ۔ دریا گنج دہلی)

ہوائے دردِ وطن سر میں اب سمائی ہے — بساطِ دل پہ شبیہ وطن بنائی ہے
ہر ایک قطرۂ خوں پر وطن وطن ہے لکھا — اسی سے جرأتِ ایثار ہم نے پائی ہے
وطن سے اُنس ہے سب نیکیوں میں بالاتر — وطن سے بیر بہت ہی بڑی بُرائی ہے
وطن فروش خطاکاروں میں ہے سب سے خوار — کہ جس نے قصرِ وفا کی اساس ڈھائی ہے
کہاں چمک سکے شمع حیات ظلمت میں — گھٹا فضا پہ تغافل کی ایک چھائی ہے
اُٹھو کہ ملک سے تاریکیاں مٹا ڈالیں — اُٹھو کہ برقِ رواں اک نوید لائی ہے
جوانِ قوم اُٹھیں دردِ قومیت لے کر — کہ آزمائش دل کی گھڑی اب آئی ہے
وطن کو قوم کے ایثار کی ہے اب حاجت — ہر ایک گوشۂ دل میں صدا یہ آئی ہے
نجات غلبۂ اغیار سے وطن کو دو — وطن کے پیارو وطن کی یہ دہائی ہے
بلاؤ پھر سے وطن کی وہ عظمتِ رفتہ — جو اپنے پاس کبھی تھی جو اب پرائی ہے
اسی کی خاک سے پیدا ہوں پھر دلاور وہ — کہ جنکے نام سے تاریخ تھرتھرائی ہے
اب امتیاز مسلمان و گبر و ہندو کیا — وطن کی خاک سے پیدا جو ہے وہ بھائی ہے

سدا خیالِ وطن ہاشمی نہ کیونکر ہو
تمام عمر اسی میداں میں خاک اُڑائی ہے



متين الدين ايڈوكيٹ



شاكر ناطقي



عمر انصاري لكهنوى



محمد اسمعيل اسلم لكهنوى

سیرت

(جناب مولوی متین الدین صاحب بی-اے-ایل ایل بی ایڈوکیٹ لکھنؤ)

قبولِ فیض سے دنیا میں روسیاہ نہ ہو　　نمودِ مہر ہو تجھ میں، نمودِ ماہ نہ ہو
ترا فروغ ہو، تیرے گداز ہی کا اثر　　کسی کا عکسِ نظر، پرتوِ نگاہ نہ ہو
وہ حسن تجھ میں ہو جس سے دلوں کی ہو تسخیر　　ترا کمال، فقط جاذبِ نگاہ نہ ہو
بسانِ شمع جلا خود کو دوسروں کے لئے　　طریقِ سوز دکھا شانِ بزم گاہ نہ ہو
کسی سے ربط اگر ہو تو بر بنائے خلوص　　امیدِ فیض، فقط وجہِ رسم و راہ نہ ہو
درِ فقیر پہ رکھدے جبینِ عجز، مگر　　غلامِ اہلِ حشم، سرنگونِ جاہ نہ ہو
تری نگاہ میں ہو، امتیازِ اہلِ نظر　　دیارِ حسن میں بھی، صیدِ ہر نگاہ نہ ہو
کبھی دھواں نہ اٹھے آتشِ نہاں سے تری　　جگر میں آگ ہو، لیکن لبوں پہ آہ نہ ہو
مریدِ خدمتِ پیرِ مسکن ہو جا　　اسیرِ بندگیِ پیرِ خانقاہ نہ ہو
ضیائے علم سے دنیا کی رہنمائی کر　　جہاں میں نورِ نظر بن، غبارِ راہ نہ ہو

فقیرِ خاکِ وطن تیرا حکمراں ہو جائے
امیرِ غیر، مگر تیرا بادشاہ نہ ہو

مزدور کی عید

(از جناب احسان بن دانش صاحب ناظم انجمن تعمیر ادب مزنگ لاہور)

عید کے دن دید کے قابل ہے عالم کا نظام   ہر نظر سرشارِ مستی، ہر جبیں ماہِ تمام
ہر چمن فردوس منظر ۔ ہر کلی جانِ چمن   نغمہ پیرائی میں گم ہیں نغمہ پیرانِ چمن
کھولتے ہیں مست جھونکے سبزہ زاروں کی شکن   آسماں پر اک صباحت ہے زمیں پر بانکپن
جمع ہیں اُمید بر آنے کے ساماں کو بہ کو   ڈھل رہی ہے نگہ کے سانچے میں دل کی آرزو
چپے چپے پہ بپا شورِ مبارک باد ہے   شاد ہے فیضِ محبت سے زمانہ شاد ہے

(۲)

لیکن اک مزدور پردیسی کا ہے یہ حالِ زار   ہے ابھی نو واردان شہر میں جس کا شمار
عید کا دن ہے عذابِ زندگی اسکے لئے   ہر نفس ہے اک نئی شرمندگی اس کے لئے
ہے زباں پابندِ خاموشی، دلِ محزوں میں یاس   درمیانہ قد، مسیں بھیگی ہوئی چہرہ اُداس
غم کے دریا میں سفینہ ہے لب و رخسار کا   سایہ پیشانی پہ ہے ٹوٹی ہوئی دیوار کا
شب کو خود دھویا ہوا اک پیرہن پہنے ہوئے   جسکے دامن جا بجا جھڑکے ہوئے سمٹے ہوئے
دھجیوں کو ہمنشینوں سے چھپانے کے لئے   آستینیں لوٹ رکھی ہیں بہانے کے لئے
خطِ پیشانی میں ہلکی سی پسینے کی نمود   ہتیلیوں میں جھلملاہٹ ہے نگاہوں میں جمود
پنڈلیوں کے بال خاکِ رہ سے گردائے ہوئے   ٹھوکریں لگ لگ کے دونوں پاؤں ورمائے ہوئے
اشک حدِ ضبط سے باہر نکل آنے کو ہیں   دل تو ہے اُمڈا ہوا اب ہونٹ تھرانے کو ہیں

(۳)

ہاتھ میں خط ہے ابھی کی ڈاک سے آیا ہوا
جس میں ہے یہ اُسکی منکوحہ نے لکھوایا ہوا

السلام اے میرے سرتاج و نگہبانِ حیات
السلام اے باعثِ نورِ شبستانِ حیات

جا کے تم نے عافیت کا خط کوئی بھیجا نہیں
کیا ابھی تک غم نصیبوں کا خیال آیا نہیں

سچ کہو یہ بے زباں بچے بھی تم کو یاد ہیں
جن کے ننھے دل تمھاری یاد سے آباد ہیں

گرچہ مجھ حسرت زدہ کی شمع کاشانہ ہیں یہ
لیکن اُف مجبوریاں راحت سے بیگانہ ہیں یہ

آسماں نے اپنے انداز کہن بدلے نہیں
تم گئے جب سے اُنھوں نے پیرہن بدلے نہیں

ان کا نورانی تبسم تھا تمھارے دم کے ساتھ
مُنھ اندھیرے اشک برساتے ہیں اب شبنم کے ساتھ

ابا ابا کہتے چونک اٹھتے ہیں اکثر خواب سے
ہو کے پھر مایوس کرتے ہیں گلہ مہتاب سے

ماموں چندا جاؤ اب تم سے خفا ہوتے ہیں ہم
تم نے ابا سے نہیں جا کر کہا روتے ہیں ہم

جب گلی میں کوئی شے بکتی ہوئی پاتے ہیں یہ
اشک پلکوں پر لئے چپکے چلے آتے ہیں یہ

جب کبھی ہمسایوں کے بچے بدلتے ہیں لباس
لوٹتے ہیں آ کے مٹی میں یہ مجھ دُکھیا کے پاس

لیکن اُف پردیس میں تم جانے کس عالم میں ہو
یہ نہ ہو میری شکایت سے اضافہ غم میں ہو

مطمئن رہنا مصیبت میں نہ ڈالونگی انھیں
سیوُونگی، کاتوں گی، مٹ جاؤنگی، پالونگی انھیں

یہ نہ ہو خط پڑھ کے کھو بیٹھو متاعِ عقل و ہوش
یہ نہ ہو دُنیا تمھیں کہنے لگے ایمان فروش

دل پہ ہر دم نشۂ معصومیت طاری رہے
نبض کاوش میں صداقت کا لہو جاری رہے

لے نہ جائے جوشِ خوں تاریک راہوں کی طرف
راستی کا رُخ نہ پھر جائے گناہوں کی طرف

شمعِ ایماں گُل نہ ہو جائے کہ منزل دور ہے
جان جاتی ہے تو جائے یہ ہمیں منظور ہے

یہ نہ ہو تقدیس کی منزل سے ہٹ جائیں قدم
تم کو اپنے توتلے معصوم خالد کی قسم

وائے اے نادار طبقے، وائے اے مفلس گروہ!
لوٹ لی تیری جہالت نے تری شان و شکوہ

علم نے ہے اب تری جانب سے منہ پھیرا ہوا
اسلئے ہے فاقہ مستی نے تجھے گھیرا ہوا

کھو چکا تو اپنے ہاتھوں قیمت و قدر حیات
ہے بجا تجھکو اگر کہدوں میں ننگ کائنات

تیرا سینہ ہے کسی مشق جفا کے واسطے
شرم کا باعث ہے تو شرم و حیا کے واسطے

گوندھ دی غفلت نے ناداری فراغت میں تری
نقطہ نقطہ اشک بنتا ہے حکایت میں تری

ذکر پر تیرے قلم اُٹھتے ہیں شرماتے ہوئے
حرف لرزاں ہیں حمایت میں تری آتے ہوئے

تیرہ تر ہیں تیری صبحیں اہل فن کی شام سے
کوششیں گردن جھکا لیتی ہیں تیرے نام سے

دور بینی کا نہیں تیری جہالت میں گزر
نام سے تیرے ترقی تو لنے لگتی ہے پر

دوش جرأت سے ترا بار الم اُٹھتا نہیں
تیرے میداں میں فراغت کا قدم اُٹھتا نہیں

اب بھی گر چاہے تو قسمت کو جگا سکتا ہے تو
عظمت رفتہ پہ رنگ تو چڑھا سکتا ہے تو

دولت کونین جھک سکتی ہے تیرے سامنے
سائنس طوفانوں کی رُک سکتی ہے تیرے سامنے

ناز کر سکتے ہیں تیری ذات پر دیہیم و تاج
بازوؤں کو تیرے مل سکتا ہے عالم سے خراج

مضطرب ہے ہر سپاہی جگمگانے کے لئے
ہر خموشی دم بخود ہے گنگنانے کے لئے

آرزوئیں دلمیں پروانوں کے گلزاروں کی ہیں
حسرتیں لوہے کے ہر ٹکڑے میں تلواروں کی ہیں

سر کو دُھنتے ہیں دھندلکے نور بننے کے لئے
پتیاں روتی ہیں ہار طور بننے کے لئے

علم سے جب تک ہو انساں کے دلمیں آفتاب
زندگی ڈالے ہوئے رہتی ہے چہرے پہ نقاب

علم اک تاب و تواں ہے زندگی کے واسطے
زندگی کے واسطے پائندگی کے واسطے

علم کے بل پر انوکھی چال چل سکتا ہے مرد
اپنی بدحالی کے کانٹے کو بدل سکتا ہے مرد

بہترین کتابیں

مکتبہ جامعہ دہلی

میں ملتی ہیں اور مکتبہ کی دوکان

سودیشی نمائش

میں آئی ہے تشریف لاکر ملاحظہ فرمائیے

مکتبہ جامعہ کی

کی

چند قابل دید کتابیں

شعلۂ طور	سے ر	جگر کے سو شعر	۴ر	تلاش حق قسم اول مکمل	عا	انقلاب فرانس	۱۲ر
بال جبریل	سے ر	اصغر "	۴ر	تلاش حق قسم دوم مکمل	عہ ر	دو خدائی خدمتگار	۱۲ر
بادۂ مشرق	سے ر	حسرت "	۴ر	ضبط نفس اور نفس پرستی	۱۲ر	خیالات مہاتما گاندھی	[illegible]
کار امروز	[illegible]	میر "	۴ر	نفسیات شباب	ے ر	تذکرۂ حالی	عا
مرقع غالب	[illegible]	غالب "	۴ر	سیرت محمد علی	ے ر	اصول اشتہار بازی	عا
نقش چغتائی	صہ ر	جوش "	۴ر	کلام جوہر	۸ر	خمکدۂ خیام	سے ر
باقیات فانی	[illegible]	جاپان مجلد	عا ر	تاریخ الامت مکمل سٹ	[illegible]	عورت مرد اور ٹالسٹائے	۸ر
سرود زندگی	عما ر	جاپان غیر مجلد	[illegible]	ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش	عا ر	لیلیٰ کی خطوط	عا
کلیات اکبر	للعہ	کسان	[illegible]	تعلیمی تلاش خود	۵ر	مجنوں کی ڈائری	[illegible]
دیوان غالب جرمنی	[illegible]	کسان کے مطالبات	۱۲ر	حسابی تلاش مکمل	۱۲ر	مسدس حالی	سے ر

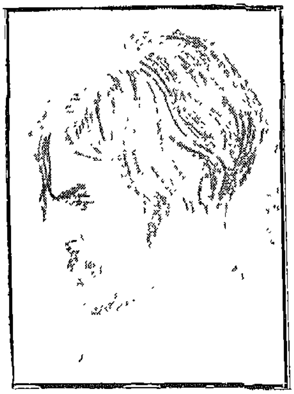
کانگریس کے مشاعرے کا مجموعہ بھی یہاں ملتا ہے



جوش ملیح آبادي



اصغر گونڈوی



جگر مرادآبادی



ساغر نظامي



سیماب اکبرآبادی

نعرۂ شباب

(از حضرت جوشؔ ملیح آبادی، مدیر "کلیم" دہلی)

ہوشیار، اپنی متاعِ رہبری سے ہوشیار
اے خلشِ ناآشنا پیری و شیبِ سرزہ کار!

اُڑ گیا روئے نگارِ آسماں سے رنگِ خواب
جھلملاتی شمع! رخصت ہو کہ اُبھرا آفتاب!

ہٹ کہ اب سعی و عمل کی راہ میں آتا ہوں میں
خلق واقف ہے کہ جب آتا ہوں، چھا جاتا ہوں میں!

اے قدامت! یہ کھلی ہے سامنے راہِ فرار!
بھاگ، وہ آیا نئی تہذیب کا پروردگار!!

کام ہے میرا "تغیر"، نام ہے میرا "شباب"
میرا نعرہ "انقلاب" و "انقلاب" و "انقلاب"!!

کوئی قوت راہ سے مجھ کو ہٹا سکتی نہیں
کوئی ضربت، میری گردن کو جھکا سکتی نہیں!

رنگ سورج کا اُڑاتا ہے مرے سینے کا داغ
بادِ صرصر کا بدل دیتا ہے رُخ میرا چراغ!!

سنگ و آہن میں مری نظروں سے چبھ جاتی ہے پھانس
آندھیوں کی میرے میداں میں اُکھڑ جاتی ہے سانس!

دیکھ کر میرے جنوں کو ناز فرماتے ہوئے
موت شرماتی ہے میرے سامنے آتے ہوئے!!!

الاماں کُہنہ و ریا آلودہ پیری! الاماں
اب کڑکتی ہے ترے سر پر جوانی کی کماں!

ہاں، تو ہی ہے وہ، جنوں نے جس کے ٹکڑے کر دیا
سبحہ و زنّار کی اُلجھن میں رشتہ قوم کا

ہو جو غیرت، ڈوب مر، یہ عُمر، یہ درسِ جنوں!!!
دشمنوں کی خواہشِ تقسیم کی صیدِ زبوں!

یہ ستم کیا، اے کنیزِ کفر و ایماں! کر دیا
بھائیوں کو کاٹ اور باجے پہ قرباں کر دیا!!!

کر دیا طولِ غلامی نے تجھے کوتہ خیال
چھُرّیاں ہیں یہ ترے منھ پر کہ غدّاری کا جال!

دیکھتی ہے صرف اپنے ہی کو اے دُھندلی نگاہ!
سر پھڑک اُٹھتا ہے لیکن ہے ابھی تک دل سیاہ!

پیٹ کے بل، نا سزا! پنجاب میں رینگی تھی تُو
تیری اس بے غیرتی پہ گرم ہے اب تک لہو!

ابنِ آدم اور رینگے خاک پر! اللہ رے قہر!
سانپ کا اس رینگنے سے آ گیا ہے مجھ میں زہر!!

پونچھ لے منہ، ختم کر یہ "عاقبت بینی" کا شور
دیکھ اب، بزدل! مری "نا عاقبت بینی" کا زور!

چہرۂ امروز ہے میرے لئے ماہِ تمام
خوفِ فردا ہے مری رنگیں شریعت میں حرام

تیر جاتی ہے دلِ فولاد میں میری نظر
خون میرا، خندہ زن رہتا ہے موجِ برق پر!

اور تمنائیں ہیں تیری سسکیاں بھرتی ہوئی
اونگھتی، کڑھتی، بلکتی، کانپتی، ڈرتی ہوئی

تیری باتوں سے پڑی جاتی ہے کانوں میں خراش
"کفر و ایماں"، "کفر و ایماں" تا کجا؟ خاموش باش!"

حسِ انساں، ذوقِ حق، خوفِ خدا، کچھ بھی نہیں
تیرا ایماں چند وہموں کے سوا، کچھ بھی نہیں!

تیرے جھوٹے "کفر و ایماں" کو مٹا ڈالوں گا میں
دھجیاں اس "کفر و ایماں" کی چبا ڈالوں گا میں!

ولولے میرے بڑھیں گے ناز فرماتے ہوئے
فرقہ بندی کا سرِ ناپاک ٹھکراتے ہوئے

ڈال دوں گا طرحِ نو "اجمیر" اور "پریاگ" میں
جھونک دوں گا "کفر و ایماں" کو جہنم آگ میں!

ایک دینِ نو کی لکھوں گا کتابِ زر فشاں
ثبت ہو گا جس کی زریں جلد پر "ہندوستاں"

اس نئے مذہب پہ سارے تفرقے واروں گا میں
تجھ پہ پھر گردن ہلا کر قہقہے ماروں گا میں!

پھر اُٹھوں گا ابر کے مانند بل کھاتا ہوا
گھومتا، گھرتا، گرجتا، گونجتا، گاتا ہوا!

ولولوں سے، برق کے مانند لہرایا ہوا
موت کے سائے میں رہ کر موت پر چھایا ہوا!

خون میں لتھڑی بساطِ کفر و دیں اُلٹے ہوئے
فخر سے سینے کو تانے آستیں اُلٹے ہوئے!

کوثر و گنگا کو اک مرکز پہ لاؤں، تو سہی
اک نیا سنگم زمانے میں بناؤں، تو سہی

ہندوستان

(از جناب مولانا سیمابؔ اکبرآبادی)

وہ پرستش گاہِ فطرت، سجدہ گاہِ آفتاب
گردگارِ صبحِ مشرق، شامِ گیتی کا شباب

تھا صنم زارِ عرب جسکے صنم خانوں کی دھوپ
آتشِ بزمِ عجم تھی جسکے ایوانوں کی دھوپ

بتکدوں میں جس کے زندہ تھے بتانِ آذری
عشق کی پروردگاری، حسن کی پیغمبری!

سُرخ صندل سی جبینیں، اُن پہ قشقوں کے چراغ
برگ سے نازک طبیعت، پھول سے نازک دماغ!

جس کے دریا آئینے، پگھلے ہوئے بہتے ہوئے
جس کے پربت، کائنات ابر کو گھیرے ہوئے

جس کی ندیاں موجِ مے کی طرح لہراتی ہوئی
گھومتی، گرتی، گزرتی، گونجتی گاتی ہوئی

شام مستی آفریں، رنگِ سحر جلوہ پناہ
عشق کی پہلی جماہی، حسن کی پہلی نگاہ!

لہلہاتے سبزہ زاروں میں بہار آئی ہوئی
اک گھٹا برسی ہوئی، اور اک گھٹا چھائی ہوئی

جیسے رقصاں ہو فضا میں حُسن کا رنگیں خدنگ
مختلف رنگوں کا جیسے اُڑ رہا ہو اک پتنگ

دیکھ کر افغانیوں نے اس کی پروازِ جمیل
لے لیا آغوشِ قوت میں بہ اندازِ جمیل

مل گئی شمعِ حرم بتخانے کے فانوس سے
ابنِ آذر نے اذاں دی پردۂ ناقوس سے

سالکِ بودھ کو تحفظ کا اشارا مل گیا
کرشن کے مندر کو مسجد کا سہارا مل گیا

ذرہ ذرہ محملِ زہرہ نظر آنے لگا
خون سا قشقہ ثریا بن کے اترانے لگا

رایتِ مسلم نے پرچم کہکشاں پر رکھ دیا
چند صدیوں میں زمیں کو آسماں پر رکھ دیا

ہند، علم و فضل و رعنائی کا گہوارہ بنا
یہ پتنگ اتنا ہوا اونچا کہ سیارہ بنا

شامِ مغرب، یہ ستارہ دیکھ کر للچا گئی
سادہ و بے نور آنکھوں میں چکا چوند آ گئی
فلسفی بھی دام لے کر بڑھے تجار بھی
اپنا پھندہ لے کے اٹھا پیرِ استعمار بھی
عرشِ سطوت پہ تھی موجِ عشرتِ افغانیاں
جلوۂ ساغر سے تھیں چھلکی ہوئی مہتابیاں
تھیں یہی دو چار باتیں گرمیِ بزمِ شباب
نغمۂ مطرب، کنارِ شاہد و جامِ شراب
کارواں غافل ہوا، رعبِ شبِ منزل گیا
پاسبانِ وقت کو شب خوں کا موقع مل گیا
شامِ مغرب صبحِ مشرق پر یکا یک چھا گئی
سرخ اک بدلی زمیں سے آسماں تک چھا گئی

اب وہ سیارہ، جو رفعت پر سبک پرواز تھا
پستیِ حالات سے پھر نقشِ پا انداز تھا

آہ، اے ہندوستاں! یہ تیری پستی وہ شباب!
کچھ تری تقدیر ہی میں فطرتاً ہے انقلاب
گو بظاہر تو نشاطِ ندرتِ ایام ہے
فی الحقیقت بے سکوں، بے چین، بے آرام ہے
وہ بہاریں، وہ چمن، وہ گلشن ایجادی کہاں؟
اے غلام آباد، اب وہ تیری آزادی کہاں؟
بحر و بر تیرے وہی ہیں اور تو بے اقتدار
ایک ذرے، ایک قطرے پر نہیں ہے اختیار
اب بھی میدانوں میں بچھتی ہے بساطِ ماہتاب
تیری موجِ خاک سے اب بھی برستے ہیں گلاب
روح سے خالی ہے لیکن پیکرِ مردہ ترا
جلوہ پژمردہ ہے تیرا، باطن افسردہ ترا
جیسے شمعِ صبحِ محفل، جیسے چھپتا آفتاب
جیسے شاعر کا بڑھاپا، اور بیوہ کا شباب

پستیوں کو ارتقا پھر جلوۂ آغاز دے
کاش مستقبل ترا ماضی کو پھر آواز دے

اپنے وطن سے پیمانِ وفا

(محمد اسمعیل اسلم لکھنوی)

جب بجھائے جائینگے حق و صداقت کے چراغ　　جب کٹے جائینگے ویراں حُرّیت کے سبز باغ
اے وطن اسوقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا

جب زبانیں نام لینے پر ترے ہوں گی قلم　　ہیکنا ہوں پر کئے جائیں گے جب جور و ستم
اے وطن اس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا

جب چلے گا حلق پہ خنجر مرے جلاد کا　　دور دورہ ہوگا جب عالم میں استبداد کا
اے وطن اس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا

جاں نثاروں کا ترے جب خوں بہایا جائیگا　　دار پر جب بچے بچے کو چڑھایا جائے گا
اے وطن اسوقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا

جب جلا ڈالے گی گر کر برق میرا آشیاں　　جب مٹانے پہ مرے آمادہ ہوگا آسماں
اے وطن اسوقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا

جب بہیں گی دھر میں نہریں سراک سو خون کی　　جب میں جکڑا جاؤں گا زنجیر میں قانون کی
اے وطن اسوقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا

جب جفائیں پر جفائیں مجھ پہ ڈھائی جائینگی　　خاک میں جب عظمتیں میری ملائی جائیں گی
اے وطن اسوقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا

ذرہ ذرہ میں نظر آئیں گی جب بربادیاں　　چھین لی جائیں گی مجھ سے جب مری آزادیاں
اے وطن اسوقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا

ظلم کی جب سرخ عالم میں چلیں گی آندھیاں — جب گرائی جائینگی غم کی دلوں پہ بجلیاں
اے وطن اسوقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا
مختصر یہ ہے کہ جب ہوگا لبوں پہ دم مرا — اور فرشتہ موت کا ہوگا سرِ بالیں کھڑا
اے وطن اسوقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا

آنکھ کا چشمہ

محمد اسحٰق محمد ابراہیم (رجسٹرڈ) ممتحن بصارت و عینک ساز (گولڈ مڈلسٹ و سند یافتہ ماہرین) کوٹھی قدیم نمبر ۱۴۳ چوک لکھنؤ جدید برانچ چوراہا قیصر باغ لکھنؤ۔ سے اپنی عینک کیلئے مشورہ کیجئے

یہ کارخانہ سنہ ۱۹۱۸ء سے قائم ہے اور نامور ڈاکٹروں کی اور سرکاری افسران کی سرپرستی میں مدت مدید سے خدمت کر رہا ہے۔ اس کارخانہ میں عینک سازی کے جدید ترین آلات اور برقی مشینیں موجود ہیں اور صحیح نظر کی مطابقت سے عینک تیار کر کے دی جاتی ہے۔ عینک کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا ہے قیمت کے لحاظ سے بھی ہمارے یہاں ہر چیز بازار کے مقابلہ میں ارزاں ملتی ہے جب تک عینک اور نظر میں مطابقت نہ ہوگی عینک کبھی کام نہ دے گی اور یہ ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ ہمارے کارخانہ میں اس کام کے ماہرین ہیں جو صحیح طور پر جانچ کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ تشریف لاکر موقع دیجئے کہ ہم آپ کی خدمت کر سکیں
محمد اسحٰق و محمد ابراہیم ماہر فن ممتحن بصارت و عینک ساز۔ ہیڈ آفس چوک

سندھ ندی

"گانڈربل کشمیر میں"

(جناب میر محمود ولی امرتسری)

سندھ ندی آ رہی ہے زمزمے گاتی ہوئی
کہکشاں صورت خرام ناز دکھلاتی ہوئی

چھپ گئی تھی لے کر اپنا حسن ستر ابر میں
مہر کی چشم حریصانہ سے گھبراتی ہوئی

سانس لینے بھی نہ پائی تھی ابھی کہسار میں
پستیوں کی سمت لڑھکی ٹھوکریں کھاتی ہوئی

سنگ پاروں کو چٹانوں کو تہِ پا روندتی
موتیوں پر موتیوں کا مینہ برساتی ہوئی

کسقدر ہے دختر کہسار کی مستانہ چال
ناشناسائے غلامی ہے یہ آزادانہ چال

خیر مقدم کے لئے ہنستی ہوئی آئی بہار
کیف برسانے لگا رنگ فضائے بے غبار

شوق سے غنچے نے آغوش محبت کھولدی
دیدۂ نرگس بنا سر سے قدم تک انتظار

گل کی پیراہن دری سے ہے عیاں دیوانگی
لطف کا دریوزہ گر ہے لالۂ خوننابہ بار

وادیاں آراستہ ہیں جل پری کے واسطے
سبزہ پر ہے سبز مخمل کے بچھونے کا نکھار

کس قدر ہے دختر کہسار کی مستانہ چال
ناشناسائے غلامی ہے یہ آزادانہ چال

جا رہی ہے یہ کہستان و دمن کو چھوڑ کر
گھاٹیوں کے حلقۂ بند رسن کو چھوڑ کر
دشت و ویرانہ میں ہوتا ہے کبھی اسکا گزر
سنگ زار و وادی و کشت و چمن کو چھوڑ کر
سبزہ سے ہو کر جدا صحرا میں گھبراتی نہیں
کھیلتی ہے ریگ پاروں سے سمن کو چھوڑ کر
اس سکوں دشمن مسافر کا وطن کوئی نہیں
ڈھونڈھتی ہے جائے تو جائے کہیں کو چھوڑ کر

کسقدر ہے دختر کہسار کی مستانہ چال
ناشناسائے غلامی ہے یہ آزادانہ چال۔

نالۂ جرس

(حضرت جمیل مظہری۔ از کلکتہ)

بڑھے چلو۔ بڑھے چلو   بڑھے چلو۔ بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں! غرورِ کارواں ہو تم   جہانِ پیر کے لئے شبابِ جاوداں ہو تم
بہ نقشِ پائے زندگاں   بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں   بڑھے چلو بڑھے چلو
اُٹھائے سر بڑھے چلو تنے ہوئے غرور سے   تمھارے قافلے کی شان دیکھتی ہیں دور سے
ہمالیہ کی چوٹیاں   بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں   بڑھے چلو بڑھے چلو
سلام موجِ گنگ لو مجاہدانِ حرّیت   ہیں گلفشاں بہشت سے پیمبرانِ حرّیت
کھلا ہے عرصۂ جہاں   بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں   بڑھے چلو۔ بڑھے چلو
خراب بادۂ خودی مئے عمل پئے ہوئے   علم بدوش و صف بصف کلاہ کج کئے ہوئے
مثالِ بحرِ بیکراں   بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں   بڑھے چلو بڑھے چلو
بڑھے ہوئے ہوں حوصلے چڑھی ہوئی ہوں آستیں   بدل دو صورتِ جہاں اُلٹ دو صفحۂ زمیں
پلٹ دو دورِ آسماں   بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں   بڑھے چلو بڑھے چلو

قسم تمہارے عزم کی فدا تمہاری شان کے ۔ بڑھا کے ہاتھ توڑ لو ستارے آسمان کے
جھکا دو شاخِ کہکشاں ۔ بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں ۔ بڑھے چلو بڑھے چلو
بنائے کہنہ توڑ دو بناؤ اک جہانِ نو ۔ جہانِ نو جہان نو یہ سقف آسمانِ نو
نئے مکیں نیا مکاں ۔ بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں ۔ بڑھے چلو بڑھے چلو
نہ ہو سوالِ این و آں نہ ہو تمیز بحر و بر ۔ عبث ہے خوف تیرگی ستارے چھپ گئے اگر
چمک رہی ہیں بجلیاں ۔ بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں ۔ بڑھے چلو بڑھے چلو
بجھے نہ شمعِ دل کہیں ہوا ہے تیز باغ کی ۔ اگر اندھیری رات ہے بڑھا دو لو چراغ کی
گرج رہی ہیں آندھیاں ۔ بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں ۔ بڑھے چلو بڑھے چلو
جنابِ خضر پیر ہیں لکیر کے فقیر ہیں ۔ کماں کا ساتھ دینگے کیا وہ نوجواں جو تیر ہیں
جو تیر جستہ از کماں ۔ بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں ۔ بڑھے چلو بڑھے چلو
جو عقل راہ روکے تو اس کا ساتھ چھوڑ دو ۔ جنوں جب آکے ٹوک دے تو اسکی قید توڑ دو
ہوا کی طرح سرگراں ۔ بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں ۔ بڑھے چلو بڑھے چلو

رُکے نہ پائے جستجو بچھے ہیں خار راہ میں — جُھکے نہ پرچمِ علم کھڑے ہیں دار راہ میں
مثالِ گردِ کارواں — بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں — بڑھے چلو بڑھے چلو

کِھلے ہیں پھول زخم کے اجل گلے کا ہار ہے — لہو سے سُرخ ہیں کفن یہ مژدۂ بہار ہے
نثارِ تیغِ خونفشاں — بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں — بڑھے چلو بڑھے چلو

سُنو مری صدا سُنو درائے کارواں ہوں میں — مخذراتِ فاقہ کش کی دُکھ بھری فغاں ہوں میں
قدم بڑھاؤ مہرباں — بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں — بڑھے چلو بڑھے چلو

غریب بچے قوم کے بلک رہے ہیں بھوک سے — خدا کا عرش ہل رہا ہے ماتا کی ہوک سے
گرے نہ سر پہ آسماں — بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں — بڑھے چلو بڑھے چلو

فسانہائے بیکسی زبان درد سے سنو — اگر ہو پہلوؤں میں دل ہوائے سرد سے سنو
پیامِ اشکِ بیکساں — بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں — بڑھے چلو بڑھے چلو

جو راہبر ٹھہر گئے نہیں مقام پیش و پس — جو ہمسفر بچھڑ گئے تو چھیڑ دو نالۂ جرس
سنو جمیل کی فغاں — بڑھے چلو بڑھے چلو
برادرانِ نوجواں — بڑھے چلو بڑھے چلو

گلہائے عقیدت

معروف بہ جذبۂ وطن پرستی

جناب مرزا محمد جعفر حسین خاں صاحب بہادر کوکب شیش محل لکھنؤ

(۱)

صہبائے زندگی تھے جلوے کبھی وطن کے
یا آج دل شکن ہیں نظارے انجمن کے
ٹکڑے اڑا اڑا کے دامان و پیرہن کے
پھولوں نہیں سماتے کانٹے مرے چمن کے
یوں روح کھنچ گئی ہے ہنستے ہوئے گلوں کی
آواز پڑ گئی ہے شیون سے بلبلوں کی

(۲)

ہر ذرۂ چمن پر کیا اوس پڑ گئی ہے
چھائی ہوئی ہے زردی حسرت برس رہی ہے
کیا چیز چھن گئی ہے کس بات کی کمی ہے
ہر پھول ہر شجر سے مفقود زندگی ہے
قبضہ میں بے حسی کے دنیائے آب و گل ہے
غفلت پسندیوں میں سرشار بزم دل ہے

(۳)

ہر اہل دل ہمارا تقدیر پر ہے شاکر
بازوئے شل کی صورت تدبیر سے ہے قاصر
ترک خودی کا عامل ترک عمل پہ قادر
ہر فعل و ہر عمل سے کم ہمتی ہے ظاہر
کمزور و مضمحل ہو جب قوت ارادی
پھر کیوں نظر نہ آئے ہر سمت نامرادی

(۴)

اے حرّیت کے طالب اے حقیقت کے طالب   کھوئی ہوئی حکومت یا سلطنت کے طالب
نام و نشاں کے جویا مقبولیت کے طالب   تیرے بلند ارادے ہیں منفعت کے طالب
لیکن ترے جنوں کی تکمیل ہو تو کیونکر
اس واہمہ کی آخر تشکیل ہو تو کیونکر

(۵)

ہر سمت برہمی ہے ہر سمت ابتری ہے   اس برہمی کا باعث اخلاق کی کمی ہے
تیرا ہر ایک جذبہ دراصل عارضی ہے   جس کا برا نتیجہ اک عام بدظنی ہے
ان بدگمانیوں کا جلدی علاج کر لے
حسنِ عمل سے اپنے حاصل خراج کر لے

(۶)

خود غرضیوں پہ اپنی مسرور ہونے والے   اس خبثِ باطنی پہ مغرور ہونے والے
شیدائے قوم و ملت مشہور ہونے والے   ہر شے کی اصلیت سے اور دور ہونے والے
بغض و حسد کے بندے جویائے کامرانی
تو عمر بھر رہے گا محروم کامرانی

(۷)

یہ مذہبی تعصب اک دائمی عداوت   یہ جوشِ اعتقادی اک مستقل جہالت
یہ واہمہ پرستی کمزوریٔ طبیعت   پابندیٔ مراسم اندیشۂ ملامت
راہیں ترقیوں کی مسدود ہوں نہ کیونکر
آغازِ زندگی کے نابود ہوں نہ کیونکر

(۸)

اپنے ہی فائدہ کی ہر وقت جستجو ہے   یہ کونسی ہے خصلت یہ کس طرح کی خو ہے
کیا صرف اک تجھی کو دنیا کی آرزو ہے   ساری مصیبتوں کی بنیاد وہ اصل تو ہے
دولت کی تجھکو خواہش عہدوں کی تجھکو حسرت
اے پیکرِ تمنا اے بندۂ جہالت

(۹)

میونسپلٹی کی کونسل کی ممبری کی   سَر کا خطاب پایا ڈپٹی کمشنری کی
ہاں ہاں گورنری کی دُنیا کی خودسری کی   قوم و وطن کے حق میں کیا تو نے بہتری کی
ان کے حقوق چھینے اُن کے گلے کٹائے
بے موت ان کو مارا وہ ظلم ان پہ ڈھائے

(۱۰)

انسانیت کے معنی دُنیا میں کامرانی   ایثار کر کہ تجھکو حاصل ہو شادمانی
دُنیا میں یوں بسر کر تھوڑی سی زندگانی   رہ جائے بعد تیرے تیری کوئی نشانی
ہر فرد و ہر بشر پہ واجب ہیں کچھ فریضے
جن سے کہ ہوں مرتب اچھے ہی سب نتیجے

(۱۱)

ہمسائے سے رعایت محتاج کی اعانت   بیمار کی عیادت مجبور کی حمایت
بیووں کی سرپرستی ایتام پر بھی شفقت   اصلاح کبر و نخوت قوم و وطن کی خدمت
اسباب اور علل پہ دار و مدار دُنیا
تیری ہی زندگی پہ ہے انحصار دُنیا

(۱۲)

اولاد سے محبت ماں باپ کی اطاعت — احباب سے عقیدت اغیار سے مروّت

تحصیلِ علم و حکمت کسبِ معاش و دولت — دولت بقدرِ حاجت محنت بقدرِ قدرت

پابندی فرائض اور دل کی کچھ خوشی بھی
کچھ سیر کچھ سیاحت کچھ لطفِ زندگی بھی

(۱۳)

ترتیب کی ضرورت تنظیم کی ضرورت — اصلاح کی ضرورت تعلیم کی ضرورت

تنسیخ کی ضرورت ترمیم کی ضرورت — سچ پوچھئے تو اب ہے تقدیم کی ضرورت

دُنیا ترقیوں کی راہوں پہ گامزن ہے
ہر ملک و ہر وطن میں اسکی اک انجمن ہے

(۱۴)

صنعت کے ہوں ادارے حرفت کے ہوں ادارے — جنہیں کہ کام سیکھیں اہلِ وطن ہمارے

ہیں قابلِ توجہ یہ دلشکن نظارے — مزدور اور مزارع ذی روح کے سہارے

فاقہ کشی کے مارے ہیں نیم جان اٹھو
فریاد ان کی سُن لے اے آسمان اٹھو

(۱۵)

ٹوٹے ہوئے دلوں کی اے بیوفا دعا لے — روٹھے ہوؤں کو اپنے ٹھہر اب منا لے

سہمے ہوئے ہیں تجھ سے ظالم گلے لگا لے — قم کہہ کے اے مسیحا اٹھو انہیں جلا لے

ان دل دُکھے ہوؤں کی تجہیز مدت سے واجب
اب حد سے بڑھ گئے ہیں آزار اور مصائب

سرمایہ دار تیرے نادار ہو گئے ہیں (۱۶) مجبور ہو گئے ہیں ناچار ہو گئے ہیں
سب حوصلے جوان کے مسمار ہو گئے ہیں — اس زندگی سے اپنی بیزار ہو گئے ہیں
اسبابِ بے نوائی کیا میں تجھے بتادوں
اسکے وجوہِ اصلی آ میں تجھے سُنادوں

(۱۷)

یہ شدتِ محاصل یہ ٹیکسوں کی کثرت — یہ دعوتیں اُنھیں کی جن سے کہ کوئی حاجت
چندے نمائشی کچھ جن کی نہیں ضرورت — فیشن پہ ہستیوں کی دلدادہ ہر ریاست
جاہ و جلال و عظمت گویا سرابِ ہستی
یا ظاہری نمائش یا ایک خواب ہستی

(۱۸)

لوٹا ہمیں ہر اک نے لوٹا گیا جہاں تک — اُجڑے ہوئے پڑے ہیں ایوانِ خسرواں تک
نادر بنا ہوا تھا ہر نادری جواں تک — ہندوستاں کی دولت پہونچی کہاں کہاں تک
طوفاں جہاں سے اُٹھے آئے اسی زمیں پر
محمود غزنوی نے حملے کئے ہمیں پر

(۱۹)

دُنیا کی پڑ رہی ہیں ہم پر بُری نگاہیں — لازم ہوا کہ مل کر ہر ایک سے نباہیں
قربان ہوں وطن پہ مذہب کو بھی سراہیں — اپنا یہی ہے مسلک اپنی یہی ہیں راہیں
گوتم کی شاہ راہیں سرنامۂ ورق ہوں
اکبر کے کارنامے سرمایۂ سبق ہوں

(۲۰)

یہ باہمی تصادُم آزادیوں کا دشمن آویزشِ مذاہب بربادیوں کا مخزن
ہر فرزہ اس زمیں کا مانندِ چرخِ پُرفن ان بجلیوں کی رو سے محفوظ جب ہو خرمن
برہم نہ ہونے پائے رنگ اپنی محفلوں کا
اک نقطۂ نظر پر سنگم ہو سب دلوں کا

(۲۱)

سوراج اپنا کو کب اپنی وطن پرستی سیوا کرو جیو کی برباد ہو نہ ہستی
لوٹی ہوئی ہے نگری اُجڑی ہوئی ہے بستی خمیازہ کش ہوئی ہے ہمت فروز مستی
اُٹھو شکستہ خاطر سر اپنا وارتے ہیں
شیدائے مُلک و مِلّت تم کو پکارتے ہیں

جمنا

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

جس کے پائے ناز مسجودِ فقیر و شاہ تھے — جس کے ساحل تیر اندازوں کے جولانگاہ تھے
چاندنی میں جس کی ٹھنڈی ریت پر سوتے تھے ہم — نیلگوں دھارے میں جسکے غوطہ زن ہوتے تھے ہم
جس نے پانڈو کے دلِ ویراں کو بخشی زندگی — جسکی ہر اک موج بھی تسکین کا اک جام تھی
ساحلوں پر جس کے صحرائے لق و دق تھا کبھی — جو درندوں اور حیوانوں کا تھا ملجا کبھی
ذوق نے الفت کے جسکو رشکِ گلشن کر دیا — گل بدامن کر دیا جنت بدامن کر دیا

جس کو پانڈو نے سنوارا کیا وہ دوشیزا ہے تو
سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو — جس کے آگے سرد تھا قلزم وہی دریا ہے تو
جس کے پاکیزہ کنارے مندروں کے شہر تھے — جس کے قطرے دیکھنے والوں کو رشکِ بحر تھے
جسکی گودی میں ہزاروں قلعے تھے لاکھوں چمن — جسکی موجوں میں بہا کرتی تھی دنیا اور دھن
جو کبھی صورت نمائے کوثر و تسنیم تھی — جسکے ساحل پر گھنے کنجوں کی اک فردوس تھی
جسکے ساحل سے بہادر زندگی پاتے رہے — ارجن و بھیم و یدھشٹر گرز چمکاتے رہے
آسماں جنت کے موتی جس پہ برساتا رہا — آریہ عظمت کا جھنڈا جس پہ لہراتا رہا

جس کو جوہر نے تراشا تھا وہی ہیرا ہے تو
سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو — تو عروسِ گلستاں دوشیزۂ صحرا ہے تو

جس کے سینہ پر کنول کے پھول کھلتے تھے کبھی
ساری دنیا کے خزانے جسمیں ملتے تھے کبھی

جسکی چوٹی موتیوں کی کان تھی ہیروں کی کان
بھیک جس سے مانگتے تھے نور کی ہفت آسمان

جس کی چھاتی گوشۂ آغوشِ مادر تھی کبھی
جسکی گودی امن اور راحت کا مندر تھی کبھی

جو کبھی میٹھے سروں میں گا کے بہلاتی بھی تھی
اور کبھی پیڑوں کے سائے میں سُلا جاتی بھی تھی

فرض کو اپنے اگر ہم بھول جاتے تھے کبھی
بیخودی میں عیش کی محفل جاتے تھے کبھی

تندخو موجوں کے نغموں سے جگا دیتی تھی تو
اُٹھکے اپنے پاؤں کے گھونگرو بجا دیتی تھی تو

محفلِ ہندوستاں کی مست رقاصہ ہے تو
سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو
کرشن کی بنسی کا اک بہتا ہوا نغمہ ہے تو

دیوکی ہر صبح جس کے گھاٹ پر آتی رہی
بطن میں گوکل کے پیغمبر کو سہلاتی رہی

نغمہ گو تم کنارے پر ترے گونجا کیا
بنسری کا مست تیری گود سے پیدا ہوا

تیرے ساحل پر کبھی آیا پریشاں واسدیو
کنس کا مارا ہوا مقہور و حیراں واسدیو

کنس کے ظلم و ستم کی سخت ہیبت دل پہ تھی
گوردھن پر اک نظر تھی اور اک ساحل پہ تھی

یاد ہے اب تک ترا طوفاں اُٹھانا یاد ہے
گوردھن کو دیکھکر موجوں پہ آنا یاد ہے

کسقدر جادو بھرا تھا شوقِ پابوسی ترا
تیری بیتابی پہ آخر کرشن کو رحم آ گیا

کرشن نے اپنا قدم موجِ رواں پر رکھدیا
تاجِ الفت کا وفائے آستاں پر رکھدیا

بوسے دے کر کرشن کے قدموں کو تو بہنے لگی
مائلِ مقصود محوِ جستجو بہنے لگی

نزہت آغوش تھی بازیچہ تھی گہوارہ تھی
آسمانِ ہند کا بہتا ہوا سیّارہ تھی

کیا تجھے وہ کرشن کا گیندیں اُڑانا یاد ہے
ساحلوں کو اپنا بازیچہ بنانا یاد ہے

گیند کا موجوں پہ کرنا کودنا وہ کرشن کا
اژدہے کا سانورے پیکر پہ کنڈل مارنا

کرشن کا اس وقت بھی بنسی بجانا یاد ہے
ناچنا اور تیری موجوں کو نچانا یاد ہے

ناگ کے پھندے سے بچ کر باہر آنا یاد ہے
سب سے پہلا درس آزادی سنانا یاد ہے

گوپیوں کا وہ سرِ ساحل نہانا یاد ہے
کرشن کا رنگین لباسوں کو چرانا یاد ہے

ہر سحر جس کی سحر تھی اور ہر شب چاندنی
ادھ کھلی کلیوں کی خوشبو سے مرکب چاندنی

جو مدھر مرلی کی لَے پر عمر بھر بہتی رہی
کرشن سے افسانۂ شام و سحر کہتی رہی

عمر بھر جو زندگی کی بھید فرماتی رہی
موجِ گُل جس کی روانی کی قسم کھاتی رہی

شام کے ہلکے دھندلکے میں بہ اندازِ حجاب
چھیڑتی تھی کنج میں رادھا محبت کا رباب

حسن کا گہوارہ تھی دار الامانِ عشق تھی
جس کی ہر موجِ رواں آرامِ جانِ عشق تھی

کرشن جس پہ تیرتے تھے کیا وہی دریا ہے تو
سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو
عظمتِ ماضی کا دھندلا سا اک آئینہ ہے تو

جس کا ساحل تھا شکست و فتح کی جولانگاہ
جس کا ساحل بس بھگتوں کی تھی اک قربانگاہ

جس کی ریتی تھی شہیدوں کے لئے نوری کفن
خون کے قطروں سے جو بنتی رہی رشکِ چمن

تھی چتا ہر موج جس کی جلنے والوں کے لئے
اور اک قبرِ رواں تھی مرنے والوں کے لئے

انجمِ پیشانیاں چمکا تری آغوش میں
باختر کا کارواں اترا تری آغوش میں

تیری گردن پر کبھی افغان کی شمشیر تھی
اور کبھی مغلوں کے تیروں نیزوں کی انی

خود تجھے اکثر ترے بیٹوں نے بھی زخمی کیا
آریوں نے اپنے خوں سے بھی تجھے بھر بھر دیا

جس کے ساحل عظمتِ تیمور کی ہیں یادگار
جس کے ساحل حشمتِ بابر کے ہیں آئینہ دار

دولتِ تیمور کی جاہ و جلالت دفن ہے
تیرے ساحل پر مسلمانوں کی عظمت دفن ہے

مرثیہ خوانِ جلال و حشمتِ رفتہ ہے تو
سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو
صحبتِ ماضی کا اک پُر درد افسانا ہے تو

شانہ گیری شہ جہاں کو تیرے گیسو کی ملی
مر کے بھی کی جذبۂ ممتاز نے مشاطگی

ایک کوہِ نور دامن پر ترے ٹانکا گیا
جو تری آبی ڈلائی کے لئے تارہ بنا

تاج سے راتوں کی خاموشی میں کیا کہتی ہے تو
آ کے اس کی گود میں آہستہ کیوں بہتی ہے تو

تیرے ساحل پر کہاں پہلی سی وہ آبادیاں
اب وہ قلعے نہ وہ جھنڈے نہ پرچم اور نشاں

اب کہاں وہ عظمتیں وہ دبدبے اور وہ جلال
شام لاتی ہے کہاں تیرے لئے تاروں کی شال

رات کو انجم تری زلفوں سے اب ملتے نہیں
صبحدم موجوں پہ تیری اب کنول کھلتے نہیں

اب کہاں چہرے سے تیرے نورِ عشرت کا ظہور
اب کہاں آنکھوں میں تیری رنگ و نغمے سرور

تیرے پیکر پر لباسِ زندگی ہے تار تار
تیرے ساحل پر نہ گلشن ہیں نہ گلشن کی بہار

سنکھ کے نغمے ہیں مندر میں نہ مسجد میں اذاں
اور نہ ساحل پر ترے وہ دیویاں وہ گوپیاں

آہ وہ تیرے زمانے اک فسانا ہو گئے
ناچتے تھے موہن جن کنجوں میں وہ کیا ہو گئے

یادگارِ حشمتِ تاریخ دیرینا ہے تو
سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو
جنگلوں میں ہند کے اک تشنہ لب صحرا ہے تو

غاصبوں کے سم زدہ تیروں سے جو زخمی ہوئی
جس کی چھاتی نیزۂ اغیار سے چھلنی ہوئی

جسکا ربط اقتدار وقت نے ٹکڑے
جسکی موجیں پڑھ رہی ہیں زندگی کا مرثیا

جسکی ہر موج رواں ہے آج اک سازِ خموش — جسکی لہروں میں نہیں پہلا سا وہ جوش و خروش
جوش زن اور موج زن جسکے کنارے کٹ گئے — کاٹتے تھے جو سمندر کو وہ دھارے کٹ گئے
جسکی آنکھیں آنسوؤں سے پر ہیں اور دل بیقرار — جسکا دامن ٹکڑے ٹکڑے اور گریباں تار تار

اور اس پہ ظلم یہ بھی سہتی ہے کہ بے پروا ہے تو
سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو — خوفِ مستقبل ہے تو اندیشۂ فردا ہے تو
کاش اکدن یہ ترے ٹوٹے کنارے پھٹ پڑیں — کاش اکدن یہ ترے خاموش دھارے پھٹ پڑیں
تیری موجیں ظالموں کے آستاں تک ہوں بلند — تیری لہریں غاصبوں کے اس مکاں تک ہوں بلند
جس مکاں میں تیری بربادی کے منصوبے ہوئے — جسکے کھمبے خونِ انسانی میں ہیں ڈوبے ہوئے
ظلم کے دھارے سے ٹکرائے تری موجِ رواں — بحر و بر میں گونج اٹھے اک صدائے الاماں
کاش اکدن اس طرح غیظ و غضب میں آئے تو — جانبِ مغرب غلامی کو بہا لے جائے تو
پھر وہی آزادیاں ہوں پھر وہی میخواریاں — پھر وہی دلشادیاں ہوں پھر وہی سرشاریاں

خود ہی ساقی خود ہی ساغر خود ہی میخانہ ہے تو
یا زوال و ارتقا کا ایک پیمانہ ہے تو

سچ بتا اے میری جمنا کیا وہی جمنا ہے تو

شاعر اور اُس کا مذہب

حضرت وصل بلگرامی

(۱)

اے کہ میں دنیا میں ہوں آزادِ بندِ قیل و قال — میری دنیا ہے جوانی، میری عقبیٰ ہے جمال
عینِ فطرت ہے مری ہر فکر، میرا ہر خیال — میری ہر اک سانس میں پنہاں ہے حسنِ لازوال
سینۂ کونین میں دکھتا ہوا چھالا ہوں میں
تنگنائے سبحہ و زنار سے بالا ہوں میں

(۲)

میری ہر جنبش سے آتا ہے جہاں میں انقلاب — میری فردوسِ بریں ہے عالمِ شعر و شباب
میرا مندر ہے گلستاں، میری مسجد ہے گلاب — دین کا میرے صحیفہ ہے، دہکتا آفتاب
ایک اک ذرہ ہے وقفِ دلبری میرے لئے
صبح کے جلووں میں ہے پیغمبری میرے لئے

(۳)

حبِ انسانی میں ہے میرا گریباں تار تار — میں کسی سے اپنے دل میں رکھ نہیں سکتا غبار
ایک ہے میرے لئے طغیانِ نور و سیلِ نار — دوست کیسے مجھکو تو دشمن پہ بھی آتا ہے پیار
ایک عالم سے انوکھا میرا ہر آئین ہے
آدمیت میرا ایماں ہے، محبت دین ہے

(۴)

آسماں ہے میرے قبضے میں زمیں زیر نگیں   طور کا شعلہ ہے میرے واسطے گل کی جبیں
مجھکو ہر برگ سبک ہے، شہپر روح الامیں   روح لامحدود ہوں، محدود ہو سکتا نہیں

ایک میں ویرانہ کونین میں آباد ہوں
کیا ہوا کا ذکر، ایتھر کی طرح آزاد ہوں

(۵)

شب کے سناٹے میں جب ہوتی ہے جلووں کی نمود   بار پا جاتا ہے میری بزم میں، راز وجود
چھو نہیں سکتا مری سیماب حالی کو جمود   ٹھوکروں کی زد پہ رکھتا ہوں سر رسم و قیود

خاک سے ہر صبح تا عرش بریں جاتا ہوں میں
اپنی آزادی پہ کیا کیا ناز فرماتا ہوں میں

(۶)

ہر جھلک میری جھلک، ہر رنگ میرا رنگ ہے   خاک ہے یہ بھی مجھکو لطفِ افسر و اورنگ ہے
فقر اور سیر پادشاہی، ایک دنیا تنگ ہے   میرے دل کے سامنے، پہنائے عالم تنگ ہے

سرنگوں ہے زندگی کی روح میرے سامنے
کانپتی رہتی ہے عمر نوح میرے سامنے

(۷)

ہیچ ہے میری نگاہوں میں، نظام کیف و کم   زلزلوں کو میں سمجھتا ہوں صدائے زیر و بم
ناظر ہستی ہوں، اپنی تیز نظروں کی قسم   دیکھتا ہوں ایک اک قطرے کے اندر روح یم

آشنا ہوں کشور اسرار کی ہر بات سے
غیب کے عالم میں اک ہلچل ہے میری ذات سے

(۸)

کام جب لیتا ہوں شب کو قوت پرواز سے   دل دہل جاتا ہے گردوں کا مرے اعجاز سے
سوز کا طوفان آ جاتا ہے میرے ساز سے   سانس رک جاتی ہے تاروں کی مری آواز سے

آسماں سے جب اُترتا ہوں صدا دیتا ہوں میں
چونک اُٹھتا ہے چمن، انگڑائیاں لیتا ہوں میں

(۹)

ایک قطرہ ہوں مگر، صد بحر در آغوش ہوں
پستیوں میں ہوں مگر صد آسماں بر دوش ہوں
زمزمہ ہوں ولولہ ہوں غلغلہ ہوں جوش ہوں
اتنے طوفانوں کا حامل ہوں مگر خاموش ہوں
کیا زمین گردوں کو اپنا نقش پا کہتا ہوں میں
اور اتنی رفعتوں پر سرنگوں رہتا ہوں میں

(۱۰)

میری رگ رگ میں نہاں ہے ایک سیلِ آرزو
دل کو سرگرمِ سفر رکھتا ہے، ذوقِ جستجو
میری ہر موجِ نفس پر ہے، مدارِ رنگ و بُو
میری لَے سے ہے رواں ہستی کی نبضوں میں لہو
چشمۂ حیواں ہوں میں اس عالمِ ظلمات میں
دعوتیں سورج کو دیتا ہوں اندھیری رات میں

(۱۱)

گو گدائے خوار ہوں، پھر بھی ہوں شاہ بحر و بر
رشک کرتے ہیں سلاطین آج میرے فقر پر
رات کو تارے ٹھٹک جاتے ہیں مجھکو دیکھ کر
میری نظروں سے لچکتی ہے زمانے کی کمر
مصحفِ حوادث کا اُتر جاتا ہے، میرے سامنے
وقت کا پہیا، ٹھہر جاتا ہے میرے سامنے

(۱۲)

ہاتھ میں ہوتی ہے برقِ بادِ کے میری رکاب
قیدِ ماہ و سال سے آزاد ہے میرا شباب
جھومنے لگتی ہے دنیا جب اُٹھاتا ہوں رباب
میرے ذرّوں سے دمکتا ہے، جمالِ آفتاب
آسماں جھکتا ہے میرے نقشِ پا کے سامنے
مسکراتی ہے خودی میرے خدا کے سامنے

(۱۳)

محفلیں دیکھی ہیں کیا کیا میرے دورِ جام نے
ہر یقیں کا رنگ اڑایا ہے مرے اوہام نے
دوڑتا ہے فلسفہ میری رکابیں تھامنے
علم، ادب سے سر جھکا لیتا ہے میرے سامنے

جس قدر راہیں ہیں اس دنیا میں راہیں ہیں مری
کعبہ ہو، یا دیر، دونوں سیرگاہیں ہیں مری

(۱۴)

بستۂ الہام رہتی ہے مری شیریں زباں
کیا بتاؤں اپنے دل کی میں حیات افروزیاں
آبِ حیواں ہے مرے کلکِ سبک رو سے رواں
میرے حرفوں سے ٹپکتی ہے حیاتِ جاوداں

میرے جگائے ہوئے تا حشر سو سکتے نہیں
سو سمندر میرے اک نقطے کو دھو سکتے نہیں

(۱۵)

ذرے ذرے میں ہے، روحِ لامکاں میرے لئے
دہر کی ہر شے نشانی ہے نشاں میرے لئے
رفعتیں ہیں کارواں در کارواں میرے لئے
مضطرب رہتی ہے عمرِ جاوداں میرے لئے

مجھ سے رونقِ حسنِ انسانی کے بازاروں میں ہے
دولتِ بیداد، خود میرے خریداروں میں ہے

(۱۶)

میرے ہی ایما سے آتی ہے زمانے میں بہار
میرے ہی بربط کی دھن پر چہچہاتے ہیں ہزار
منہ تکا کرتا ہے میرا، عشوۂ لیل و نہار
میرا ہر تارِ نظر ہے، حسن کا پروردگار

شعلہ ہائے عارض و لب کو ہوا دیتا ہوں میں
حسن کو قابلِ پرستش کے بنا دیتا ہوں میں

(۱۷)

میرے ہی دم سے ہے قائم لن ترانی حسن کی
میرا مرہونِ منت ہی تو ہے زندگانی حسن کی
تابعِ فرماں ہے میرے، حکمرانی حسن کی
جاگتی ہے میری نظروں سے جوانی حسن کی

میں نویدِ زندگی ہوں مہ جبینوں کے لئے
اک ربوبیت کا مظہر ہوں حسینوں کے لئے

(۱۸)

ناتوانی پر مری قائم ہے، قوتِ حسن کی
میری رسوائی کے پردے میں ہے شہرت حسن کی
میرے رخساروں کی زردی سے ہے زینت حسن کی
خاکساری پر مری مبنی ہے نخوت حسن کی
گرمیاں ہیں میرے ہی دم سے شرارِ حسن میں
میں نہ ہوں تو خاک اُڑ جائے دیارِ حسن میں

(۱۹)

روحِ مطرب میں ہوں میں ساز و ترنم کی بہار
محفلِ حرف و حکایت میں تکلم کی بہار
آسماں پر ہوں جمالِ ماہ و انجم کی بہار
لعلِ جاں افروز پر، موجِ تبسم کی بہار
طور کے ہونٹوں پہ حرفِ لن ترانی مجھ سے ہے
عارضِ آفاق پر خونِ جوانی مجھ سے ہے

(۲۰)

بزم کی رنگین مسند پر ہوں لحنِ اتحاد
رزم کے خونریز میدانوں میں ہوں شورِ جہاد
آج اگر طوفانِ صرصر ہوں تو کل بادِ مراد
میری خدمات آج بھی تاریخِ عالم کو ہیں یاد
میرے ہی قبضے میں ہے، رسم و رواجِ زندگی
مجھ سے بڑھکر کون سمجھے گا مزاجِ زندگی

(۲۱)

کفر و ایماں سے کہیں بالا ہے میرا فیضِ عام
با مسلماں اللہ اللہ، با برہمن، رام رام
میرے رتبے کو سمجھ اے مبتلائے عقلِ خام
وہ برہمن ہوں جسے اصنام کرتے ہیں سلام
روحِ پیرانِ حرم کو وجد میں لاتا ہوں میں
صبح کو، یوں دیر کی زنجیر کھٹکاتا ہوں میں

خدمتِ نوعِ بشر کو میں سمجھتا ہوں نجات (۲۲) میرے مذہب کے فرائض میں ہے تعمیرِ حیات
جو دلوں کے رُخ بدل دیتی ہے وہ کہتا ہوں بات   جنبشِ لب ہے مرے آئین میں صوم و صلوٰۃ

دل میں سوز و ساز ہے لب پر خدا کا نام ہے
بس، یہی ہے کافری میری، یہی اسلام ہے

جب کبھی قوموں پہ آتی ہے بلائے ناگہاں (۲۳) اُس گھڑی جوہر دکھاتی ہے مری تیغِ زباں
سانس سے اپنی گلا دیتا ہوں غم کی بیڑیاں   میری سرتابی بدل دیتی ہے آئینِ جہاں

سرحدِ مہر و محبت سے نکلجاتا ہوں میں
آہن و فولاد کے سانچے میں ڈھلجاتا ہوں میں

مبتلائے کرب ہوں انساں کی راحت کیلئے (۲۴) ہر عمل میرا ہے پیغامِ محبت کے لئے
وقف ہے ہر سانس میری آدمیت کیلئے   جاگتے سوتے کمربستہ ہوں خدمت کے لئے

سوز کے شعلے کو رقصِ ساز دے کر دیکھنا
وقت جب آئے تجھے آواز دے کر دیکھنا

حکمراں جو میرے دل پر ہے وہ سلطاں اور ہے (۲۵) جس کا میں قیدی ہوں وہ زلفِ پریشاں اور ہے
رقص کرتا ہوں جہاں میں وہ شبستاں اور ہے   میرا ایماں اور ہے، دنیا کا ایماں اور ہے

وصل! سوزِ دل کجا و شورشِ ماتم کجا؟
مذہبِ شاعر کجا و مذہبِ عالم کجا؟

روحِ روانِ وطن

(از جناب شوکت تھانوی)

اے مرے پیارے وطن! اے خطۂ ہندوستاں!!
میں تری روحِ رواں ہوں تو مری روحِ رواں

اے کہ تھا تو عظمتِ عالم نشانِ عز و شاں
اے کہ تو ہے ذلت و نکبت کی زندہ داستاں

زندگی تیری طلبگارِ عظمت تھی کبھی
اک جہاں لرزہ میں تھا ایسی جلالت تھی کبھی

تیرے صحرا غیرتِ جنت تھے اے ہندوستاں
تیرے دریا تھے کبھی زمزم چکاں کوثر فشاں

خاک تیری میکدہ پرور و ساغر آفریں
اے وطن ہے تیرا ہر ذرہ پیمبر آفریں

کرشن کا جھولا ہے تو گہوارۂ گوتم ہے تو
اور ہمالہ جس کا اک پرتو ہے وہ عالم ہے تو

رام و لچھمن تیری خاکِ پاک سے پیدا ہوئے
اور یوں چمکے کہ چرخِ زیست کا تارا ہوئے

کیوں تصور خوشہ چینِ گلشنِ ماضی ہوا
میرے قلب و روح پر عالم عجب طاری ہوا

اے وطن یہ دیکھ ظرفِ تنگ کی پہنائیاں
حال و ماضی لے رہے ہیں قلب میں انگڑائیاں

تجھ سے میں پیدا ہوں پیارے اور مجھ سے تو عیاں
میں تری روحِ رواں ہوں تو مری روحِ رواں

اے مرے دلبر وطن! اے روحِ روانِ زندگی
خاک تیری اب بھی رکھتی ہے وہی تابندگی

خاک سے تیری جو آہر سا جواں پیدا ہوا
شانِ مشرق عظمتِ ہندوستاں پیدا ہوا

لیکے انگڑائی فضا میں نور برسانے کو ہیں
کتنے ذرے ہیں کہ جو خورشید بن جانے کو ہیں

شعلہ زن ہے ریشہ ریشہ میں وہ سوزِ انقلاب
جسکی خاکستر سے بنتے ہیں ہزاروں آفتاب

جو بدل دیتا ہے نقشہ اور شکل اقوام کی
مہر ہے قرطاس آزادی پہ جس کے نام کی

ساقی و ساغر ہیں بیخود وجد پیمانے کو ہے
خون رگ رگ سے اچھل کر بادہ بنجانے کو ہے
میکشانِ نو سے میخانہ جمالِ عید ہے
خستِ خُم بھی آج صدرِ رشک ہلال عید ہے
تیرا رند بادہ کش اور ساری دُنیا کا غلام
ہے تو ممکن ہی نہیں اے مایۂ مینا و جام
تجھ پہ اے رنگیں وطن قرباں ہو جائیں گے ہم
تجھکو گر کھویا تو اس عالم سے کھو جائینگے ہم
تو مری شوکت ہے اور میں تیری شوکت کا نشاں
میں تری روحِ رواں ہوں تو مری روحِ رواں

غزلیات

(جناب مولانا اصغر گونڈوی مدیر رسالہ سہ ماہی ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد)

کوئی محمل نشیں، کیوں شاد یا ناشاد ہوتا ہے
غبارِ قیس خود اُٹھتا ہے، خود برباد ہوتا ہے

قفس کیا؟ حلقہ ہائے دام کیا؟ رنجِ اسیری کیا
چمن پر مٹ گیا جو، ہر طرح آزاد ہوتا ہے

یہ سب نا آشنائے لذتِ پرواز ہیں شائد
اسیروں میں ابھی تک شکوۂ صیاد ہوتا ہے

بہارِ سبزہ و گل ہے، کرم ہوتا ہے ساقی کا
جواں ہوتے ہی دُنیا، میکدہ آباد ہوتا ہے

بنا لیتا ہے موجِ خونِ دل سے اک چمن اپنا
وہ پابندِ قفس، جو فطرۃً آزاد ہوتا ہے

بہار انجام سمجھوں اس چمن کا، یا خزاں سمجھوں؟
زبانِ برگِ گُل سے مجھ کو کیا ارشاد ہوتا ہے

ازل میں اک تجلّی سی ہوئی تھی بیخودی طاری
تمھیں کو میں نے دیکھا تھا، کچھ ایسا یاد ہوتا ہے

سمائے جا رہے ہیں اپنے جلوے دیدہ و دل میں
یہ نظارہ ہے؟ یا ذوقِ نظر برباد ہوتا ہے

زمانہ ہے کہ خُوگر ہو رہا ہے شور و شیون کا
یہاں وہ درد، جو بے نالہ و فریاد ہوتا ہے

یہاں کوتاہیِ ذوقِ عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں! وہیں صیاد ہوتا ہے

یہاں مستوں کے سر الزام مستی ہی نہیں اصغر
پھر اس کے بعد ہر الزام بے بنیاد ہوتا ہے

(جناب پربھودیال صاحب اخگر ناطقی لکھنوی)

سینے میں قلب سوزاں کیا صدرِ انجمن ہے — مانندِ شمع روشن اک ایک موئے تن ہے
ہر سو محیطِ غم ہے ہر سانس پُر محن ہے — آپس کے تفرقے سے برہم یہ انجمن ہے
اک داغ چھوڑ کر دل آوارۂ وطن ہے — برگِ خزاں رسیدہ گم کردہ چمن ہے
خود حسن کو ازل میں تھی عشق کی تمنا — گل ہے فدائے بلبل کیا بھی اک چمن ہے
کیا ناخنِ حنائی کچھ ماند ہو چلے ہیں — ہر قطرہ خونِ دل کا سینے میں موجزن ہے
سرخی ہے خون دل کی رنگھائے گل کی صورت — قطرے ہیں آنسوؤں کے رنگینیٔ چمن ہے
صیاد ہو موافق یا باغباں مخالف — پھر بھی قفس قفس ہے پھر بھی چمن چمن ہے
تارے بھی ہیں فلک پر موتی بھی بحر میں ہیں — اک اشک ہے جو اب تک آوارہ وطن ہے

یہ روح پھونک دی ہے قالب میں کس نے اخگر
رگ رگ میں خون کی جا بجلی سی موجزن ہے

(جناب اودھ کشور پرشاد صاحب کشتہ بی۔ اے ایل گیاوی تلمیذ حضرت نوح ناروی)

خدا کے واسطے سچ سچ بتا اے باغباں ہم سے — یہ تجھ سے گلستاں آباد ہے یا گلستاں ہم سے
عجب کیا آشیاں کے ساتھ چھوٹے گلستاں ہم سے — نظر آتی ہے اب بدلی نگاہِ باغباں ہم سے
چھپائے سے نہیں چھپتیں نہیں چھپتیں نہیں چھپتیں — تری چالاکیاں عیاریاں بے باکیاں ہم سے
بنا جب آشیاں گر کر اسے فوراً جلا ڈالا — یہ کیسی گرم جوشی کر رہی ہیں بجلیاں ہم سے
کہاں جاتے ہو زندانِ وفا میں بیٹھ جاؤ بھی — یہی بس پاؤں پڑ کر کہہ رہی ہیں بیڑیاں ہم سے

جئیں تو اس کی خاطر ہم۔ مریں تو انکی خاطر ہم — توقع رکھتی ہے یہ اور ہندوستاں ہم سے
اس آسانی سے جھیلیں دل نے ایذائیں محبت کی — کہ گھبرانے لگیں زنداں کی ساری سختیاں ہم سے
قفس میں رہ کے بھی کیا کیا چمن کا دھیان آتا ہے — نہ چھوٹے آشیاں سے ہم نہ چھوٹا آشیاں ہم سے
بڑھائیں کیا قدم اپنا۔ اُٹھائیں خاک سر اپنا — مکدر ہے زمیں ہم سے خفا ہے آسماں ہم سے
گریباں چاک کر کے اپنا دامن چاک کر ڈالا — اُڑیں گی دیکھ لینا اب جنوں کی دھجیاں ہم سے

ہماری زندگی بھی موت سے بدتر ہے اے گشتہ
نہیں ہوتی اگر کچھ خدمتِ ہندوستاں ہم سے

(جناب سید ولایت حسین صاحب گہر لکھنوی)

اس طرح لوٹے گئے کوئی نشاں باقی نہیں — ہے مگر اپنی جگہ ہندوستاں باقی نہیں
پیکرِ بے روح میں تاب تواں باقی نہیں — دستِ پاچیں پڑے ہیں حکمراں باقی نہیں
منزلیں ویران کوئی میہماں باقی نہیں — کارواں کیسے نشانِ کارواں باقی نہیں
عشرتِ نظارہ کوئی آسماں باقی نہیں — انقلابوں کے سوا اب کچھ یہاں باقی نہیں
اب کہیں گنجائشِ آہ و فغاں باقی نہیں — نام لینے کو بھی جانِ ناتواں باقی نہیں
سلطنت وہ سلطنت دنیا کو جس پر ناز تھا — آج اُسکے تاجداروں کا نشاں باقی نہیں
صف شکن تیغ آزما وہ منچلے وہ سورما — وہ بہادر صاحبِ طبل و نشاں باقی نہیں
قید ہیں صرف آرزوئے تقلب کے اظہار میں — جنبشِ لب میں نہیں زورِ بیاں باقی نہیں
وقفِ زنداں ہم ہوئے دل ہو گئے نذرِ وطن — جز فنا اب اور کوئی امتحاں باقی نہیں
چند پھولوں کے سوا بوئے وطن نابود ہے — کانٹے ہی کانٹے ہیں سب حسنِ جہاں باقی نہیں

گنگا جل بیکار ہے جمنا کے درشن ہیں عبث
ہر ندی پایاب ہے آب رواں باقی نہیں

کھیتیاں سوکھی پڑی ہیں خشک سالی ہے کمال
آج کوئی دستگیر بیکساں باقی نہیں

رات دن اپنا کسانوں نے لہو پانی کیا
محنتیں بیکار ہیں جب قدرداں باقی نہیں

کانگرس اور کانگرس ملک وطن کی یادگار ہے
تیرے اجزائے پریشاں کے نشاں باقی نہیں

حوصلے کیوں پست ہیں کیوں تفرقے کیوں پھوٹ ہے
یا گلو میں ہمت طوق گراں باقی نہیں

آج موتی لال زندہ ہیں نہ اجمل خاں حیات
کارواں تو ہے رئیس کارواں باقی نہیں

احتجاجی محفلیں ہیں نالہ و شیون ہے کیوں
وہ لہو وہ جوش وہ ہندوستاں باقی نہیں

فرقہ وارانہ تصادم ہو گیا ہے سدِ راہ
وہ زمیں باقی نہیں وہ آسماں باقی نہیں

اتحادِ باہمی کی ہے ضرورت ملک میں
ختم ہے اب کوئی حرفِ داستاں باقی نہیں

مغربی جھونکوں میں ایسے دل ہمارے جذب ہیں
انتہا یہ ہے کہ اب کوئی زباں باقی نہیں

وہ نہ دستور اساسی ہے نہ ترتیب عمل
کوئی عنوان کوئی عنوانِ بیاں باقی نہیں

اے گہر سچ تو یہ ہے ابھرے تو کیا ابھرے کوئی
حسرتیں مردہ ہوئیں تاب و تواں باقی نہیں

(جناب فخرالدین صاحب فرخ کانپوری)

ہر ذرہ اب وطن کا میرے لئے وطن ہے
ہر پھول اس چمن کا زینت دہ چمن ہے

رونق ہو کیا چمن میں گلچیں ہے اور چمن ہے
کرنیں کہاں سے پھوٹیں سورج ہے اور گہن ہے

کیوں گل کی داستاں کا ہر صفحہ پر شکن ہے
وہ راز جانتا ہے جو واقفِ چمن ہے

مذہب کے فلسفہ کو تو آجتک نہ سمجھا
ان خانہ جنگیوں میں بربادیِ وطن ہے

لَے ایک ہے سبھوں کی اور راگ مختلف ہیں — سازِ وطن میں کیسا یہ نغمۂ وطن ہے
تنکوں کا یہ تصادم دعوت ہے بجلیوں کو — اہلِ چمن تمہیں سے بربادیِ چمن ہے
مشرق ہی سے ملی ہے مغرب کو روشنی یہ — جو چاند میں چمک ہے سورج کی وہ کرن ہے
پروانے کانگرس کے ہوتے رہیں گے قرباں — روشن اگر تو یوں نہیں اے شمعِ انجمن ہے

سازِ غزل سے فرحؔ اک تازہ روح پھونکو
منصور کا ترانہ اب نغمۂ کہن ہے

(جناب شاکر ناطقی کانپوری)

پرورش کی ہے وطن نے یہ ہے احسانِ وطن — جان کیوں اپنی نہ دے صاحبِ ایمانِ وطن
واپس آئے ہیں جو زنداں سے غریبانِ وطن — اُن میں جو فرد ہے وہ صاحبِ کنعانِ وطن
مادرِ ہند کا وہ ایک بہادر فرزند — ہے بجا اوسکو جو کہتے ہیں نگہبانِ وطن
فخر ہے ہم کو کہ ہم میں ہے جواہر ساجری — اور سب جسمِ وطن ہیں تو وہ ہے جانِ وطن
لالہ و گل کی قبائیں سرِ گلشن دیکھو — پوچھتے کیا ہو بہارِ چمنستانِ وطن
مُلک سارا ہو غلام اور غلامی پہ ہو ناز — شان یہ اہلِ وطن کی ہے نہ شایانِ وطن
متحد ہو کے بڑھو مُلک کی خدمت کے لئے — اب یہی فرض تمہارا ہے عزیزانِ وطن
دلمیں ہر فرد کے اک جذبۂ آزادی ہو — ہے یہی جانِ وطن اور یہی ایمانِ وطن
صنعتِ ملک وہ قفلے ہے کہ نہیں جس کی — راز کو اس کے سمجھتے ہیں محبانِ وطن
دم غنیمت ہے بزرگوں کا سنو بات انکی — مُلک کو تم سے ہے اُمید جوانانِ وطن
سعیِ پیہم ہو تو گلشن میں پھر آجائے بہار — پھر نہ پامالِ خزاں سے گلستانِ وطن

مر کے پائیں جو رہائی تو غنیمت سمجھو ۔ ہوں کسی طرح تو آزاد غلامانِ وطن
یہ مسافر ہوئے کسطرح مقیم اسکو نہ پوچھ ۔ میزباں اب ہیں وطن کے جو تھے مہمانِ وطن
آہ پروانوں میں یہ فرقہ پرستی کیسی ۔ جل گئی دیکھ کے یہ شمعِ شبستانِ وطن
متحد ہو کے بہم عہد کی تجدید کریں ۔ ورنہ بیکار رہے یہ مجمعِ ارکانِ وطن
مادرِ ہند کا انجام اوسی رنگ میں ہے ۔ ہوگا جس رنگ میں اخلاقِ جوانانِ وطن

جاں نثاروں کا یہاں عرس ہے آج اے شاکر
آئیے چل کے سنیں ذکرِ شہیدانِ وطن

(جناب سیماب صاحب اکبرآبادی)

شکستہ پا ہوں، شریک اپنے کارواں میں نہیں ۔ مرے نصیب کی گردش کبھی آسماں میں نہیں
یہی تو قوتِ تخلیق، باغباں میں نہیں ۔ کہاں گئیں وہ بہاریں، جو بوستاں میں نہیں
حواس جمع نہیں، ربطِ جسم و جاں میں نہیں ۔ جو چاہتا ہوں وہ ترتیب کارواں میں نہیں
ہر ایک دل کو ہے دشوار معرفت میری ۔ وہ راز ہوں جو ابھی ذہنِ رازداں میں نہیں
اسیرِ جذبۂ وحدت ہے فطرتاً انسان ۔ سمجھ رہا ہے کہ مجھ سا کوئی جہاں میں نہیں
اچھالے دیتی ہے غمازیِ نگاہ مجھے ۔ میں راز بن کے کبھی قابوئے رازداں میں نہیں
قفس کی قید سے چھوٹے پڑے زمانے میں ۔ ہمارے وقت کا تنکا کبھی آشیاں میں نہیں
درائے صبح کی آواز ہے نہ بانگِ جرس ۔ خیال یہ ہے کہ میں اپنے کارواں میں نہیں
تعلقات کا رونا ہے، یاد کی فریاد ۔ یہ جانتا ہوں کہ میں ذہنِ نوحہ خواں میں نہیں
وہاں ثبوتِ محبت کا دینے آیا ہوں ۔ جہاں شریک فرشتے کبھی امتحاں میں نہیں

خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں غربت میں — کہ میرے پاؤں میں کانٹے تھے، زباں میں نہیں
میں چاہتا ہوں کہ منزل ہی منہ کے بل اُٹھے — فضا شناس کوئی میرے کارواں میں نہیں

جہانِ عشق کی مٹّی خراب ہے سیماب
زمین تنگ ہے، گنجائش آسماں میں نہیں

حضرت جگر مرادآبادی

ایک رنگیں نقاب نے مارا — حسن بن کر حجاب نے مارا
جلوۂ آفتاب کیا کہیے؟ — سایۂ آفتاب نے مارا
اپنے سینہ ہی پر پڑا اکثر — تیر جو اضطراب نے مارا
نگہِ شوق و دعوئے دیدار — اس حجاب الحجاب نے مارا
ہم نہ مرتے تیرے تغافل سے — پرسشِ بے حساب نے مارا
لذّتِ دیدِ بے جمال نہ پوچھ — دردِ بے اضطراب نے مارا
چھپتے ہیں اور چھپا نہیں جاتا — اس ادائے حجاب نے مارا
حشر تک ہم نہ مرنے والے کو — مرگِ ناکامیاب نے مارا
پاتے ہی اک اشارۂ نازک — دم نہ بھر اضطراب نے مارا

دل کہ تھا جانِ زیست، آہ جگر
اسی خانہ خراب نے مارا

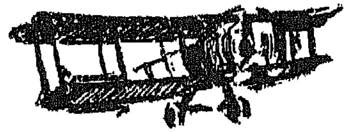
ستمِ کامیاب نے مارا — کرمِ لاجواب نے مارا
خود ہوئی گم، ہمیں بھی کھو بیٹھی — نگۂ باریاب نے مارا

زندگی تھی، حجاب کے دم تک　　برہمیِ حجاب نے مارا
عشق کے ہر سکونِ آخر کو　　حسن کے اضطراب نے مارا
خود نظر بن گئی حجابِ نظر　　ہائے اس بے حجاب نے مارا
میں ترا عکس ہوں کہ تو میرا　　اس سوال و جواب نے مارا
کوئی پوچھے کہ رہ کے پہلو میں　　تیرا کیا اضطراب نے مارا؟
بچ رہا جو تری تجلّی سے　　اُس کو تیرے حجاب نے مارا
اب نظر کو کہیں قرار نہیں　　کاوشِ انتخاب نے مارا

سب کو مارا جگر کے شعروں نے
اور جگر کو شراب نے مارا

شورشِ کائنات نے مارا　　موت بن کر حیات نے مارا
پرتوِ حسنِ ذات نے مارا　　مجھ کو میری صفات نے مارا
ستمِ یار کی دہائی ہے　　نگہِ التفات نے مارا
میں تھا رازِ حیات اور مجھے　　میرے رازِ حیات نے مارا
ستمِ زیست آفریں کی قسم　　خطرۂ التفات نے مارا
موت کیا؟ ایک لفظِ بے معنی　　جس کو مارا، حیات نے مارا
جو پڑی دل پہ سہہ گئے لیکن　　ایک نازک سی بات نے مارا

شکوۂ موت کیا کریں کہ جگر
آرزوئے حیات نے مارا



یو-پی-فلائنگ کلب لمیٹڈ

موجودہ زمانہ میں ہوائی جہاز سے پرواز کرنا بہترین تفریح ہے-اور آمدورفت کا یہ بہترین ذریعہ ہے چند منٹ میں سیکڑوں میل کا سفر کرنا صرف ہوائی جہاز سے ممکن ہے- یہ باتیں آپ کو میسر آسکتی ہیں اگر آپ اس کلب کے ممبر ہو جائیں-

مرکز

لکھنؤ-　　　　کانپور-

فون نمبر ۲۹۱　　　　فون نمبر ۲۱۵۸

دی
آل انڈیا یونائیٹڈ انشورنس کمپنی لمیٹڈ
ہیڈ آفس حضرت گنج لکھنؤ

چیرمین ——— راجہ سر رام پال سنگھ۔ کے۔ سی۔ آئی۔ ای

یہ کمپنی سنہ ۱۹۳۴ء میں با اثر ڈائرکٹرز کی تحت میں شروع ہوئی۔ ہمارے ڈائرکٹرز میں ہندوستان کے مشہور و معروف کاروباری آدمی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ کمپنی دن بہ دن ترقی کر رہی ہے

بزنس شروع ہوا	۳۲۲۳۲۵۰ روپیہ	پریمیم کی وصولیابی	۷۸۱۱۰/۱۰/۹ روپیہ
بزنس منظور شدہ	۲۳۲۰۰۰۰ روپیہ	حصص کا پریمیم	۱۳۹۸۴/-۱- روپیہ
بزنس پورا ہوا	۱۸۰۲۵۰۰ روپیہ	میزان	۹۲۰۹۶/۱۰/۹ روپیہ

اس کمپنی نے بالکل نئے اصول پر پورٹ فولیو ایجنٹس اور پالیسی لینے والوں کے لئے نکالے ہیں۔

قبل اسکے کہ آپ کمپنی میں بیمہ کرائیں ہم سے مشورہ لے کر تمام باتیں دریافت کر لیجیے جس سے آپ کو بہت فائدہ ہوگا

ہماری کمپنی سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔

ایچ۔ ایل۔ گپتا۔ اسکوائر۔ برانچ منیجر۔ کلکتہ
آر۔ بی۔ دھوپا وکر اسکوائر۔ برانچ منیجر۔ بمبئی
سری رام شرما اسکوائر۔ برانچ منیجر۔ دہلی
ٹھاکر جیت سنگھ بھادوریا۔ برانچ منیجر۔ آگرہ
جی۔ ایس۔ جعفری اسکوائر ایم۔ اے۔ برانچ منیجر۔ مراد آباد
ایم۔ ایل۔ گپتا۔ اسکوائر۔ برانچ منیجر۔ میرٹھ
کے۔ این بھارگوا۔ اسکوائر۔ برانچ منیجر۔ الہ آباد
پی۔ ڈاوس۔ اسکوائر۔ بی۔ اے۔ سکریٹری۔ گوہاٹی۔ آسام

کنور رشید پال سنگھ۔ بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ آرگنائزر۔ اناؤ
این۔ ایل۔ گپتا۔ اسکوائر۔ آرگنائزر۔ بریلی۔
کنور منیشور سنگھ۔ آرگنائزر۔ ہردوئی۔
کنور کشیتر پال سنگھ۔ آرگنائزر۔ کانپور۔
کنور چھبیراج سنگھ۔ آرگنائزر۔ فیض آباد
کنور دیو سنگھ بھادوریا۔ اسپیشل ایجنٹ
رام جس روڈ لکھنؤ
مسٹر ایم۔ منور علی چیف ایجنٹ۔ حیدرآباد۔ دکن۔

منیجنگ ایجنٹس ——— ۵۹۰۶۹ ——— کنور جی اینڈ کو

جنرل منیجر ——— شیام سنگھ روہاگی۔ بی۔ ایس۔ سی۔ ایل۔ ٹی

پبلشر جناب پنڈت آنند نرائن صاحب ملّا۔ بی۔ اے۔ ایل ایل بی ایڈوکیٹ

صدر آل انڈیا مشاعرہ کمیٹی موتی نگر لکھنؤ

پرنٹر محمد اسمٰعیل صدیقی

مطبوعہ ادبی پریس لاٹوش روڈ لکھنؤ